مودودیت

منزل بہ منزل

ابن عجمی

25

مودودیّت

منزل بہ منزل

●

ابن عجمی ایم اے

مکتبہ قصرِ اردو، پوسٹ بکس ۷۲۱۵، کراچی

انتساب

پاکستان کے ہر باشعور اور دردمند شہری

کے نام

(سپیر آرٹ پریس، کراچی)

مُندرجات

پس منظر

موجودہ دور میں عالم اسلام ایک اضطرابی اور بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ مسلم حکومتیں نہ صرف باہمی اتحاد و اتفاق کی نعمت سے محروم ہیں بلکہ اندرونی طور پر بھی سیاسی خلفشار کا شکار ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بیرونی معاندِ اسلام قوتیں اور مخالف عناصر ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کئی تحریکات اسلامی ملکوں میں عالم وجود میں آئیں جنہوں نے اسلام کی حفاظت اور مسلمانان عالم کی ترقی و خوشحالی کا بیڑا اٹھایا اور ظاہری تنظیم اور جمعیت کے زور پر اس حالت کو بدلنے کی کوشش کی لیکن دورِ حاضر کے تمام اسلامی ممالک کی اندرونی تاریخ اور حالات اس امر پر شاہدِ ناطق ہیں کہ ایسی تحریکات یا تو خود حکومت وقت سے برسرپیکار ہونے کی بنا پر اور یا پھر مادی اور مغربی طرز طریق کار پر اسلامی لیبل لگانے کی وجہ سے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار نہ ہو سکیں کیونکہ وہ بنیادی طور پر صحیح اسلامی نظریات اور طریق کار سے ناآشنا تھیں ان تمام حقائق سے یہ امر واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص اسلامی اصولوں اور خدا تعالیٰ کی ازلی مشیت کے مطابق نہیں کی گئی۔ اور ان تمام تحریکات میں کوئی ایسی بنیادی خامی پائی جاتی ہے کہ ان کا وجود بجائے عالم اسلام کے لئے مفید ہونے کے انتہائی خطرناک ہے۔ اصل امر یہ ہے کہ ہر ایسی تحریک اپنے مقصد

کی جلد تکمیل کے لیے لیلائے اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور بنیادی طور پر سوسائٹی کی روحانی اور خالص دینی اصولوں پر تربیت کے لیے اور صبر آزما طریق کو اختیار نہیں کرتی چنانچہ تمام اسلامی ممالک میں کم و بیش ان تحریکات کا مستقبل نہ صرف تاریک ہے بلکہ خود مذہب اسلام کے لئے مضر ہے کیونکہ اسلامی نظام ماحول کو اپنے لئے سازگار بنائے بغیر کبھی بھی پنپ نہیں سکتا۔

پاکستان ایک نوزائیدہ عظیم مسلمان مملکت ہے۔ اس وقت متعدد جماعتیں یہاں پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ باوجود اسلام کا نام لینے کے خود ان اسلام پسند جماعتوں میں شدید اختلافات ہیں اسلام میں متعدد فرقوں کی مختلف تعبیروں کی طرح ان جماعتوں کے نظریات اور خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور وہ کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی کسی ایک کی سربراہی قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ اسلامی نظام کی تعبیر ہر ایک کے نزدیک مختلف ہے۔ اس لحاظ سے کسی ایک فرقہ کی مذہبی اجارہ داری انتہائی خطرناک ہے اور ملک میں کفر بازی اور کافرسازی کا بازار گرم ہونے کی وجہ سے قتل و غارت اور جبر و استبداد لازم و ملزوم ہیں۔ ورنہ خود مذہب اسلام کے مقدس نام پر کشت و خون ناگزیر ہے۔ یہ امر ناقابل فہم ہے کہ بغیر سوسائٹی کی تطہیر اور اصلاح کے اس کے اوپر کسی ایک فرقہ کا مزعومہ

اسلامی نظام ٹھونپ دیا جائے۔ چنانچہ قیام پاکستان سے قبل جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس کی مخالفت اسی بنا پر کی تھی کہ ایسے کسی خطہ میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اسلامی نظام کو نافذ نہیں کیا جا سکتا بلکہ عالمگیر سطح پر حکومت الٰہیہ کے لئے فضا کو سازگار بنانا چاہیئے۔ آپ نے جماعتِ اسلامی کا قیام اسی مقصد کے پیش نظر کیا اور برصغیر ہند کے کسی ایک خطہ میں مسلم حکومت کے قیام کی شدید مخالفت کی کیونکہ ان کے نزدیک یہ ان کے مزعومہ مقصد میں کبھی بھی ممد نہیں ہو سکتی چنانچہ آپ نے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے نام سے مضامین تحریر کئے اور اس میں تحریر کیا:۔

> "میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۹۳)

اور اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:۔

> "اس طریقہ کا جائزہ لیجئے جس سے یہ بزعم خود اسلامی نصب العین تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں۔ ان کی تجویز یہ ہے کہ پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریزی حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہو جائے۔ پھر کوشش کی جائے کہ یہ قومی حکومت اسلامی

نظامِ حکومت میں بتدریج تبدیلی ہو جائے۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے
کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حاکمیت جمہور کے اصول پر خود مختار
حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت رب العلمین کے قیام میں مددگار
ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسی مسلم اکثریت اس مجوزہ پاکستان
میں ہے ویسی ہی بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ
زبردست اکثریت افغانستان ایران عراق ترکی
اور مصر میں موجود ہے اور وہاں اس کو وہ پاکستان
حاصل ہے جس کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پھر کیا وہاں
مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومتِ
الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے یا ہوتی نظر آتی ہے؟ مددگار
ہونا تو درکنار میں پوچھتا ہوں کیا آپ وہاں حکومتِ
الٰہیہ کی تبلیغ کر کے پھانسی یا جلاوطنی سے کم کوئی سزا پانے
کی امید کر سکتے ہیں؟"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۲۲)

قیامِ پاکستان کے بعد جماعت اسلامی نے مسلم عوام کے اسلام سے
جذباتی لگاؤ سے فائدہ اٹھانے کے لئے پاکستان میں اسلامی دستور کے قیام
کا نعرہ بلند کیا اور عام انتخابات میں حصہ لینے کا عزم کیا تاکہ اس طرح زمامِ حکومت

کو حاصل کیا جائے۔ جماعت کا یہ موقف چونکہ سابقہ طریق کار کے برعکس تھا اس لئے
پرانے رفقاء کی ایک کیمپ نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ چنانچہ جناب مودودی
صاحب نے فروری ۱۹۵۸ء میں اپنے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے تسلیم کیا:۔

"مطالبہ دستورِ اسلامی پر آج دس سال کے بعد ہمارے بعض پرانے
رفقاء یہ اعتراض لے کر اٹھے ہیں کہ ہم نے اس طرح فطری طریق
انقلاب کو چھوڑ کر مصنوعی طریقے سے ایک اسلامی ریاست
بنانے کی کوشش شروع کر دی ...... وہ کہتے ہیں کہ
ہم نے اس موقع پر نظامِ حکومت کی اصلاح کے لئے جو قدم اٹھایا وہ
بالکل غلط سمت میں تھا اور اس طریق انقلاب کے بھی خلاف
تھا جو ہم نے خود تقسیم سے پہلے بیان کیا۔ اس طریق انقلاب کے
مطابق تو نظامِ حکومت کی صحیح اور حقیقی تبدیلی صرف وہی ہو سکتی ہے
جو معاشرے کی ذہنی اور اخلاقی تبدیلی کے نتیجہ میں رونما ہو لیکن اب
ہم معاشرے کی تبدیلی کے بغیر ہی نظامِ حکومت محض ایک دستور
ساز اسمبلی کے ذریعہ سے تبدیل کرانے پر آمادہ ہو گئے۔"

(تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل ص ۱۱)

جناب مودودی صاحب نے اپنے رفقاء کے اس اعتراض پر کان نہ دھرا
اور اپنے بدلے ہوئے موقف کو ہی درست ثابت کرنے پر مصر رہے لیکن حقیقت یہ ہے

کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا یہ طریق بالکل غیر طبعی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری نوے فیصدی آبادی اسلام کا دم بھرتی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کی تعبیر ہماری مختلف جماعتوں اور جمعیتوں کے نزدیک مختلف ہے اور وہ ایک دوسرے کو کافر اور غیر صالح قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں جب تک اکثریت کے عقائد و نظریات میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا نہ ہو اس وقت تک محض اسلامی نظام کا دعا باطل اور فتنہ انگیز ہے اور ملک میں خود مذہب اسلام کے وقار کو مجروح کرنے والا ہے۔ جو امر ممکن ہے وہ صرف یہ ہے کہ اسلامی اقدار کی روشنی میں ایسا قانون بنایا جائے جو مختلف مسلم فرقوں کے مسلمہ اصولوں پر مبنی ہو اور کسی ایک مکتب فکر کی عکاسی نہ کرتا ہو۔ اس وقت جماعت اسلامی کی اپنی پوزیشن یہ ہے کہ اس کے بانی نے اسلامی مسائل پر جو کچھ لکھا ہے اس سے سواد اعظم کو شدید اختلاف ہے، چنانچہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں :-

"اب تک میں نے کوئی ایسی چیز نہیں لکھی جس پر کسی نہ کسی گروہ کو چوٹ نہ لگی ہو اور اگر میں یہ فیصلہ کرلوں کہ کوئی ایسی چیز نہ لکھی جائے جو مسلمانوں کے کسی گروہ کو ناگوار ہو تو شاید کچھ بھی نہ لکھ سکوں"

(رسائل و مسائل صـ۲۸۳ طبع اول صـ۱۵)

اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا اس سے بعض طبقات کو اختلاف ہے تو کیا ان شدید اختلافات کی موجودگی میں، ان کے تجویز کردہ اسلامی نظام کے ذریعہ کسی بہتری کی

اور خیر کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ ایک وقت میں جناب مولوی صاحب نے قیام پاکستان کی مخالفت اس بناء پر کی تھی کہ مسلمانوں کی ایسی جداگانہ حکومت کبھی بھی حکومت الٰہیہ کے قیام میں ممد ثابت نہیں ہوسکتی چنانچہ لکھتے ہیں :-

"پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت والے علاقے ہندو اکثریت سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومت الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع اول صـ۱۱)

مگر اب قیام پاکستان کے بعد جناب مودودی صاحب اس ملک میں اپنی مزعومہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے کوشاں ہیں اور اس غرض کے لئے جبر و تشدد اور فتنہ و انتشار کے ذریعہ عنان حکومت سنبھالنے کی فکر میں ہیں۔ کیا وہ اپنی سابقہ تحریرات کی روشنی میں یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ بغیر مناسب ماحول اور یگانگت کے ایسے اسلامی نظام کو کبھی بھی پائیداری اور استحکام نصیب نہیں ہوسکتا اگر اسلام کی سربلندی کا یہی طریق تھا تو پھر یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ امت محمدیہ میں گذشتہ تیرہ سو سال میں مجددین امت اور مصلحین ملت نے اس طریق کو کیوں اختیار

نہ کیا ؟ ہاں اس کے برعکس تاریخ سے ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں کہ بعض فتنہ پرست افراد یا بعض سیاسی جماعتوں نے زمام حکومت سنبھالنے کے لئے جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام کا نفاذ ملت اسلامیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے بابرکت عہد میں ہوا جبکہ امت باہمی فرقہ بندی کی لعنت سے پاک تھی۔ لیکن جب خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے زمانہ میں خوارج پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ان الحکم الا للہ کہ حکم صرف خدا تعالیٰ کا ہے تو حضرت علیؓ نے ان کو یہی جواب دیا کہ کلمۃ حق ارید بہ الباطل کہ یہ بات تو برحق ہے مگر اس کا مدعا بالکل جھوٹ اور فریب ہے —— اس کے بعد تو امت مسلمہ میں نت نئے فرقے جنم لینے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی نظام کسی بھی خطہ میں قائم نہ ہو سکا اور جو مجددین اور مصلحین امت کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تو انہوں نے بھی اپنے اپنے علاقہ میں اصلاحِ عقائد و احوال کی سعی کی اس کے لئے حکومت پر قبضہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔ اور نہ اس غرض کے لئے کوشش کی۔ آج جناب مودودی صاحب ان بزرگان سلف کے طریق کار کو ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں اور اپنے مزعومہ نظریات کی رو سے ان کی غلطیاں گنوا رہے ہیں لیکن کیا یہ تمام پاک زمرہ جو روحانی انوار اور خدائی راہنمائی سے ہدایت یافتہ تھا وہ اس بنیادی ضرورت کو نظر انداز کرتا چلا آیا تھا ؟ ؟

جماعت اسلامی

قبل از

قیام پاکستان

ضروری تصحیح

... ص۱۲ سے آگے مضمون ص۱۷ پر جاری ہے
[illegible] صفحات [illegible] ۲۳ کے بعد

"تعبیروں سے انسان ہمیشہ زنجیروں میں پھنس جاتا ہے۔ جماعتِ اسلامی کو اعتراف کرنا چاہیئے تھا کہ ماضی مرحوم میں مسلم لیگ کی ہمنوا نہ رہی۔ اس نے پاکستان بن جانے سے پہلے تحریکِ پاکستان میں حصّہ نہیں لیا اور لیگی زعماء اس کے نقد و نظر میں رہے۔"

(شورش کاشمیری مدیر ہفت روزہ چٹان، ۱۲ جنوری ۶۲ء)

نظریہ قیامِ پاکستان

برصغیر ہند میں تحریک آزادی کا زمانہ مسلمانوں کے لئے انتہائی نازک اور فیصلہ کن تھا۔ مسلمان اس وقت انگریز اور کانگریس کی دو عظیم طاقتوں اور ان کی میکیاولی سیاست کا شکار تھے اور اس بات کا خطرہ بڑا واضح تھا کہ ان حالات میں مسلم قوم کا وجود ہی برصغیر سے نہ مٹ جائے۔ اس موقعہ پر برصغیر کی مسلم سیاسی جماعت مسلم لیگ کی قیادت حضرت قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے سنبھالی جس سے اس کے اندر ایک نئی روح پیدا ہوئی اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن گئی اور اسکی آواز مسلمانوں کی نمائندہ آواز تسلیم کی گئی اور لیگی زعماء نے ہندوؤں کے خطرناک عزائم کو بھانپ کر مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مطالبہ پیش کیا جسکا نام پاکستان تجویز کیا گیا۔ درحقیقت ہندوستان کے حالات کے پیش نظر اس امر کی ضرورت مسلم زعماء نے شدت کے ساتھ محسوس کی تھی کہ مسلم قوم کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے الگ وطن ہو۔ چنانچہ مفکر قوم ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کے نام خط میں لکھا :-

"اسلامی ہندوستان میں ان مسائل کے حل بآسانی رائج کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کے ذریعہ ایک یا زائد اسلامی ریاستوں کا قیام اشد ضروری ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آن پہنچا؟" (مکاتیب اقبال حصہ دوم ص۱۷)

۲۱ر جون کو آپ نے قائداعظم کے نام ایک اور خط میں لکھا:۔

"ہندوستان میں قیام امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق ——— میں اسلامی اصلاحات کا نفاذ ہے۔ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو ہند اور بیرون ہند کی دوسری اقوام کی طرح حق خود اختیاری سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے۔"

(مکاتیب اقبال حصہ دوم صہ ۲۲۰-۲۱)

علامہ اقبال نے مسلمانوں کی قومی ہستی کے قیام کے لئے جو مطالبہ پیش کیا اس کو عملی جامہ پہنانے کا فخر قائداعظم اور مسلم لیگ کو حاصل ہوا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں پاکستان کا ریزولیشن پاس ہوا اور مسلم اکثریت کے علاقوں کے لئے آزاد اور خود مختار ریاست کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ اس تاریخی اجلاس میں قائداعظم نے فرمایا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ایک قوم ہیں اور اس قوم کو اپنا ملک اور اپنی جداگانہ حکومت چاہیئے۔

قائداعظم کی اس آواز پر ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں میں ایک برقی لہر دوڑ گئی اور مسلمانانِ ہند پاکستان کے حصول کے لئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔

جناب مودودی صاحب کا بزرگان سلف کے طریق کو غلط سمجھ کر اس سے گریز کرنا اور اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرنا خود ان کے گم گشتہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آنکہ خود گم است کرا رہبری کند

جناب مودودی صاحب کے ذہن میں لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کا اس قدر شوق ہے کہ انہوں نے اپنی تحریک کا اصل مقصد یہ قرار دیا کہ وہ کسی طرح "خدائی فوجدار" بن کر حکومت پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین Preachers اور مبشرین missionaries کی جماعت نہیں ہے بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے (لتکونوا شهداء على الناس) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، بداخلاقی، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے۔ لہٰذا اس پارٹی کے لئے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد حکومت کے بل بوتے پر قائم ہوتا ہے اور ایک صالح تمدن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔"

(تفہیمات بعنوان "جہاد فی سبیل اللہ" حصہ اول طبع چہارم صہ ۱۱)

اور اپنے اس عقیدہ کو درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ظلم یہ کیا کہ تمام انبیاء کا مطمح نظر ہی یہ قرار دیا کہ وہ اقتدار کی کنجیوں پر قابض ہونا چاہتے تھے اور اس کے لئے کوشاں رہے ۔ تحریر کرتے ہیں :۔

"دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم کرکے اس پورے نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی ۔ بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں جیسے حضرت ابراہیم ۔ بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کر دی مگر حکومت الٰہیہ قائم کرنے سے پہلے ہی ان کا کام ختم ہو گیا جیسے حضرت مسیح اور بعض نے اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا جیسے حضرت یوسف حضرت موسیٰ اور سیدنا محمد صلعم ۔

(تجدید احیائے دین ، اشاعت ہفتم ص ۳۵)

اگر مولوی صاحب کا یہ اصول صحیح ہوتا تو پھر تمام انبیاء کو بوجوہ خدائی تائیدات کے حاصل ہونے کے ضرور صاحب اقتدار ہونا چاہیئے تھا حالانکہ صرف گنتی کے چند انبیاء حاکم وقت رہے اور انبیاء کی اکثریت دوسرے حکام کے زیر نگیں پرامن شہری بن کر رہی اور اپنے نظریات کی ترویج و تشہیر کے لئے عنان حکومت

پر قبضہ کرنا ضروری نہ سمجھا ۔ اگرچہ جناب مودودی صاحب نے اپنے طریق کار کو انبیاء و مجددین کا راستہ قرار دیا ہے مگر ان کا رخ شروع دن سے ہی بجائے جادہ انبیاء کے لینن و سٹالن اور مسولینی و ہٹلر کے طریق پر رہا ہے کہ وہ کسی طرح اقتدار کی کنجی پر قابض ہو جائیں اور من مانی کاروائی کر سکیں ۔ مگر کیا یہ انبیاء اور مجددین کا طریق ہے یا فاشی اور اشتراکی تحریکات کا طریق ہے ۔ ؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے نزدیک اس امر میں اسلام بھی دیگر لادینی تحریکات سے مشابہت رکھتا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"یہ اسٹیٹ فاشی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے "

(اسلام کا سیاسی نظام از جناب مودودی صاحب)

زیر نظر کتاب درحقیقت جناب مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کی تحریرات سے اس حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے مرتب کی گئی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ ان کی مساعی کا تمام تر رخ یک طرفہ ہے یہ کہ وہ کسی طرح مذہب کے نام پر اقتدار حاصل کر سکیں اور پھر اپنی موہومہ حکومت الٰہیہ کو قائم کر سکیں ۔ چونکہ یہ مسلک سراسر غیر اسلامی ہے اور صرف موجودہ مادی تحریکات کے طریق کار کا چربہ ہے اس لئے اس کے خطرناک عواقب سے آگاہ ہونا ضروری ہے اور چونکہ یہ جماعت پاکستان کو ہی اپنے عزائم کا اولین نشانہ بنا رہی ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قیام پاکستان

سے قبل اور اس کے بعد اس جماعت کے کردار کی وضاحت کر دی جائے تاکہ اس کی روشنی میں ان کے موجودہ دعاوی کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ وباللہ التوفیق

جماعتِ اسلامی کا قیام

یہ حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان کی جنگ مسلمانانِ ہند کے سوادِ اعظم نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے لڑی اور کامیابی حاصل کی۔ اس نازک مرحلہ پر مسلم قوم کے باہمی اتحاد کی انتہائی ضرورت تھی۔ اگرچہ کانگریس اپنی سیاست کے زور پر مسلمانوں کے ایک حصہ کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئی مگر اکثریت نے قائدِ اعظم کی قیادت پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ جب قیامِ پاکستان کی جنگ کا باقاعدہ اعلان ہوا تو عین اس زمانہ میں جناب مودودی صاحب نے بجائے مسلم قیادت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے ایک الگ جماعت بنانے کا اعلان کر دیا اور نظریہ پاکستان کی علمبردار جماعت مسلم لیگ کے متوازی ایک نئی پارٹی کی بنیاد ڈالی، جس کا نام انہوں نے جماعت اسلامی رکھا جو مسلم لیگ ہی کے مترادف تھا۔ چنانچہ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور ہی کے مقام پر پچھتر افراد کی موجودگی میں جناب مودودی صاحب نے ایک الگ جماعت کی بنیاد رکھی، اور اس طرح نہ صرف وہ تفرقہ بازی کے مرتکب ہوئے بلکہ مسلم لیگ کے خلاف الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ گویا اس جماعت کا جنم ہی ایسے حالات میں ہوا کہ وہ اس کی پاکستان دشمنی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کے تمام طبقات میں استحکام کی از حد ضرورت تھی جناب مودودی صاحب نے مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ اندازی کی کوشش کی۔

مسلمانوں کی اس سیاسی کشمکش کے دور میں جناب مودودی صاحب نے اپنی جماعت کی تشکیل و تاسیس سے قبل "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے عنوان سے متعدد مقالے سپرد قلم کیے۔ جو بعد میں تین حصوں میں شائع ہوئے۔ ان میں جناب مودودی صاحب نے اس قومی حکومت کی شدید مخالفت کی۔ آپ کے نزدیک ایسی حکومت کبھی بھی ان کے مزعومہ "اسلامی انقلاب" کے لئے ممد و معاون نہیں ہو سکتی تھی اور اس بنا پر اس کا نام "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت" رکھا۔ فرماتے ہیں "جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت والے علاقے ہندو اکثریت سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے **دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔** اس کا نام حکومت الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔
.... جب صورت معاملہ یہ ہے تو کیا وہ شخص نادان نہیں ہے جو اسلامی انقلاب کا نصب العین سامنے رکھ کر ایسی جمہوری حکومت کے قیام کی کوشش کرے۔ جو کافرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہے۔"

اسی طرح تحریر فرمایا:-

"اس نام نہاد مسلم حکومت کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد

کے لئے نہ صرف غیر مفید ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی سد راہ ہوگی۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم حاشیہ ص۱۳۸)

جناب مودودی صاحب نے اپنی ذہنی سکیم کے مقابلہ میں قیام پاکستان کی تحریک کو "حماقت" کا نام دیا اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ جناب مودودی صاحب کی حکومت الٰہیہ کا خواب تو آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور ان کو خود پاکستان میں ہی پناہ گزین ہونا پڑا۔ اور جو امر ان کے نزدیک "غیر مفید" تھا آج اسی کو اپنے مفید مطلب ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قیام پاکستان کی اساس ——— دو قومی نظریہ

برصغیر ہند میں تحریک پاکستان کا آغاز اس بنا پر ہوا کہ یہاں مسلم قوم کا وجود ہندو اکثریت کے مقابلہ میں سخت خطرہ میں تھا۔ ہندو ذہنیت اپنی عصبیت کے لحاظ سے اتنی سخت تھی کہ وہ مسلمانوں کو ہی شودر کرنے پر تلی ہوئی تھی اور آزاد ہندوستان میں ان کے جائز حقوق دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ شروع میں حصول آزادی کی مہم میں مسلم زعماء نے کانگرس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا مگر جب مسلمانوں کی واحد قومی جماعت مسلم لیگ نے یہ محسوس کیا کہ کانگرس کے ہاتھوں میں مسلم قوم کا وجود ہی محفوظ نہیں ہے تو مسلم زعماء نے مسلمانوں کے الگ قوم ہونے کے لحاظ سے الگ وطن اور علیحدہ خطہ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ

قیام پاکستان کی تمام بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان الگ قوم ہیں اور ہندو اکثریت کے مقابلہ میں اس اقلیت کا حقیقی تحفظ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب ان کا اپنا ایک الگ وطن ہو۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اپنے ایک مضمون میں اس کی وضاحت یوں پیش فرمائی ہے:۔

"قومیت کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے صرف ان ممالک میں پیدا ہوتا ہے جہاں وہ اقلیت میں ہوں اور جہاں قومیت کا یہ تقاضا ہو کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا دیں۔ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں اسلام قومیت سے ہم آہنگی پیدا کر لیتا ہے کیونکہ یہاں اسلام اور قومیت عملاً ایک ہی چیز ہے۔ مسلمانوں کی یہ کوشش کہ ایک تہذیبی وحدت کی حیثیت سے خود مختاری حاصل کی جائے حق بجانب ہوگی۔ دونوں صورتیں اسلام کے مطابق ہیں۔"

(حرف اقبال ص۱۵۸، ص۱۵۹)

برصغیر ہندو پاک میں تحریک پاکستان کی تمام جنگ اسی دو قومی نظریہ پر لڑی گئی اور اسی بنا پر قیام پاکستان کی صورت میں مسلم قوم کو عظیم فتح نصیب ہوئی۔ اس موقعہ پر جناب مودودی صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ بڑا ہی عجیب ہے۔ آپ نے اس وقت تحریک پاکستان کے اس بنیادی نظریہ پر وار کیا اور اپنے مضامین میں اس امر کی شدید مخالفت کی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے

"مسلم قوم" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ آپ نے اس اصطلاح کو "غیر اسلامی" اور "قوم پرستی" کو ملعون و مردود قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"پس جو مسلمان ہے اور مسلمان رہنا چاہتا ہے اسے تمام قومیتوں کے احساس کو باطل اور سارے خاک و خون کے رشتوں کو منقطع کرنا پڑے گا۔ اور جو ان رشتوں کو قائم رکھنا چاہتا ہے اس کے متعلق ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اسلام اسکے قلب و روح میں نہیں اترا۔"

(مسئلہ قومیت ص۵۱)

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"جس چیز کو آپ اسلامی اخوت کہہ رہے ہیں یہ دراصل جاہلی قومیت کا رشتہ ہے جو آپ نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ اس جاہلیت کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ آپ کے اندر "قومی مفاد" کا ایک عجیب تصور پیدا ہو گیا ہے اور آپ اس کو بے تکلف "اسلامی مفاد" بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ نام نہاد اسلامی مفاد یا قومی مفاد کیا چیز ہے؟ یہ کہ جو لوگ 'مسلمان' ہیں انکا بھلا ہے۔ ان کے پاس دولت آئے ان کی عزت بڑھے ان کو اقتدار نصیب ہو اور کسی نہ کسی طرح ان کی دنیا بن جائے۔"

(مسئلہ قومیت ص۹۳-۱۲)

ہندوستان میں اس دو قومی نظریہ کی تحریک کو جناب مودودی صاحب نے "جاہلی قومیت" کا نام دیا اور اس طرح گویا نظریۂ پاکستان کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی۔ آج مودودی صاحب پاکستان میں (جو دراصل مسلمانوں کی اس قومی تحریک کے نتیجہ میں بنا تھا) نظریۂ پاکستان کے محافظ ہونے کے مدعی بن گئے ہیں اور اس کے لئے فنڈ قائم کرکے لوگوں سے پیسے جمع کر رہے ہیں۔ کیا وہ لوگ جو پاکستان کے بنیادی نظریہ کے دشمن تھے اور اس کے خلاف اپنی فاسدانہ تحریروں اور منافقانہ تقریروں سے زہر اگلتے رہے آج وہ اس کے تحفظ کے ضامن ہو سکتے ہیں؟؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں!!

جناب مودودی صاحب نے اس دور میں "مسئلہ قومیت" اور "مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم" تحریکیں جن میں برصغیر ہند کی مسلم قوم کے لئے الگ وطن کی تحریک کی شدید مخالفت کی۔ آپ نے "مسلم قومیت" کے لئے کام کرنے والے افراد اور جماعتوں کو "گمراہ" اور "غیر اسلامی" قرار دیا۔ اپنی کتاب "مسئلہ قومیت" میں لکھتے ہیں:۔

> "اس وقت دو قسم کے نیشنلسٹ پائے جاتے ہیں۔ ایک "نیشنلسٹ مسلم" یعنی وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے باوجود ہندوستان کی مشترک قومیت کے قائل اور اس کے پرستار ہیں۔ دوسرے "مسلم نیشنلسٹ" یعنی وہ لوگ جنہیں اسلام کے اصول و مقاصد سے

سے تو کوئی دلچسپی نہیں مگر "مسلمان" کے نام سے جو ایک قوم بن گئی ہے اس کے سیاسی، معاشی مفاد اور اس کی انفرادیت سے محض اس بنا پر دلچسپی ہے کہ وہ اس قوم میں پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے یہ دونوں قوم پرست گمراہ ہیں کیونکہ اسلام صرف حق پرستی کا قائل ہے اور کسی قسم کی قوم پرستی کو جائز نہیں رکھتا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ دونوں قوم پرست اپنی اس غیر اسلامی حیثیت کے شعور سے محروم ہیں۔ خصوصاً دوسری قسم کے لوگ تو اپنے آپ کو اس وقت ہندوستان میں اسلام کا علمبردار سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی پوزیشن ہندو نیشنلسٹ کی پوزیشن سے کچھ بھی مختلف نہیں۔ ہندو نیشنلسٹ چونکہ ہندو قوم میں پیدا ہوا ہے اس لئے وہ ان لوگوں کا بول بالا کرنا چاہتا ہے جو ہندو ہوں اور یہ مسلم نیشنلسٹ چونکہ مسلمان نامی قوم میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے یہ ان لوگوں کا بول بالا کرنا چاہتے ہیں جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی اخلاقی مقصد اور کسی اصولی مسلک کو نہ وہ لے کر اٹھتا ہے۔ نہ یہ اسکی طرح ان کو بھی یہ بات مطمئن کر دے گی کہ اقتدار کی مسند پر "مسلمان" متمکن ہوں۔ خواہ ان کی حکومت سراسر غیر اسلامی

اصولوں پر ہی کیوں نہ قائم ہو۔ اور ان کا طرزِ عمل غیر مسلموں کے طرزِ عمل سے کچھ بھی مختلف نہ ہو۔"

(مسئلہ قومیت صفحہ ۱۵۲)

جہاں تک حقائق کا تعلق ہے جناب مودودی صاحب نے نظریہ پاکستان کی اساس دو قومی نظریہ کی ہر ممکن مخالفت کی تھی اور اسے غیر اسلامی نظریہ قرار دیا تھا ان کے نزدیک اسلام ایک "بین الاقوامی پارٹی" ہے اور اسے کسی قوم و نسل میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کسی ایک خطہ کی مسلم قوم کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے۔

ہمارا ان سے یہ سوال ہے کہ ایسے ملک میں جہاں مسلم قوم کسی غیر قوم کے جبر و استبداد کا شکار ہو اور ان کا تمدن، معاشرہ اور خود مذہب بھی خطرہ میں ہو تو کیا ان کا تحفظ کرنا چاہیئے یا نہیں ؟ لازمی بات ہے کہ ہر ایک مسلمان کا دل اپنے بھائی کے لئے یقیناً پسیجے گا۔ خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو۔ لیکن جناب مودودی صاحب کی منطق اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس وقت کشمیر میں ۴۰ لاکھ کشمیری بھائی ہندو ڈوگرہ راج کے مظالم برداشت کر رہے ہیں اور ان کی حالت زار پر ہر پاکستانی کا دل گریاں و بریاں ہے۔ لیکن اگر جناب مودودی صاحب کا فارمولا استعمال کیا جائے تو ان قوم پرست کشمیری مسلمانوں کی تحریک ہی غیر اسلامی ہو گی۔ شاید اسی بنا پر آپنے

ان مجاہدین کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا تھا۔

آج جناب مودودی صاحب تحریک پاکستان کے لئے اپنے مسلک کی یہ تاویل پیش کرتے ہیں:-

"میں نے ۱۹۳۷ء میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اول ۱۹۳۸ء میں حصہ دوم اور ۱۹۳۹ء میں "مسئلہ قومیت" لکھ کر مسلمانوں کو کانگرس کی تحریک اور متحدہ قومیت سے بچانے کی کوشش کی تھی اور سیاسی کشمکش حصہ سوم ۱۹۳۹-۴۰ء میں اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمانوں کی قومی تحریک کو ایک قومی ریاست کی بجائے ایک اسلامی ریاست کے نصب العین کی طرف موڑنے کی کوشش کروں۔ مولانا نے کہا ہے کہ مسلم لیگ کی ایک قرارداد کے متعلق میرا جو ایک فقرہ نکال کر پیش کیا جا رہا ہے وہ نومبر ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون لکھا گیا تھا اور اس کا کوئی تعلق بھی ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان سے نہ تھا۔ جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی اور کوئی شخص بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اپنے قیام کے وقت سے لے کر اگست ۱۹۴۷ء تک اس جماعت نے کبھی قیام پاکستان کے خلاف قرارداد پاس کی ہو یا کوئی جلسہ یا مظاہرہ کیا ہو یا

کسی شکل میں تحریک پاکستان کی مزاحمت کی ہو۔"

(امروز ۱۰ جنوری ۱۹۷۰ء)

سوال یہ ہے کہ اگر اس وقت ہندوستان میں "قومی ریاست" کی بجائے جناب مودودی صاحب کی تجویز کردہ "اسلامی قومیت" کے لئے کوشش کی جاتی تو کیا پاکستان کا قیام ہو سکتا تھا؟ جناب مودودی صاحب کو پاکستان میں کام کرتے ہوئے بائیس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے اور خود پاکستان کے مختلف طبقات میں بعض عصبیتیں موجود ہیں۔ وہ ابھی تک یہاں اپنی موہومہ "اسلامی قومیت" کو پیدا نہیں کر سکے۔ کیا اس سے یہ واضح اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کام ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس کا حقیقی مداوا وہی تحریک کر سکتی ہے جو خدائی تائیدات کی حامل ہو۔ اور خود خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات کی گواہ ہو۔ کیونکہ اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے دور میں "جاہلی عصبیت" کا خاتمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور بے مثال افاضہ روحانی سے ہوا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۔ (انفال ع ۸)

اگر تو جو کچھ زمین میں ہے ان پر خرچ کر دیتا تو بھی ان کے دلوں کو اس طرح باندھ نہیں سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں باہمی محبت اور تیرے ساتھ محبت ہی قائم کر دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تالیف ایک اعجاز ہے اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے دور میں بھی اس کا وجود کسی خود ساختہ "مولانا" کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ باقی کوئی تحریک اس عالمگیر اسلامی اخوت کو قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ جناب مودودی صاحب نے جماعت اسلامی کا امیر منتخب ہونے کے بعد فرمایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ اول)

اس لئے آپ اپنی تحریک کے وہی نتائج دیکھنا چاہتے ہیں جو الٰہی تحریکوں کا ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں

"صرف آٹھ برس کی قلیل مدت میں دنیا کے سب سے بڑے ہادی و راہبر نے مدینہ کے پاور ہاؤس میں اتنی زبردست قوت بھر دی کہ اس نے دیکھتے دیکھتے سارے عرب کو منور کر دیا اور پھر عرب سے نکل کر اسکی روشنی روئے زمین پر پھیل گئی۔ ہم اس پاور ہاؤس کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔"

(چراغ راہ جماعت اسلامی ص ۱۰۱)

لیکن کیا جناب مودودی صاحب کے لئے باعث عبرت نہیں ہے کہ

ان کا یہ نقلی کاروبار خدا تعالیٰ کی تائید سے محروم ہے۔ اس جماعت کو قائم ہوئے ربع صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر جس انقلاب کے وہ خواب دیکھ رہے ہیں وہ ابھی تک صرف پاکستان میں ہی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا کجا یہ کہ وہ تمام اسلامی ممالک اور پھر ساری دنیا میں ظاہر ہو۔

غرض جناب مودودی صاحب نے اپنی تنظیم کو "اسلامی قومیت" پیدا کرنے کے لئے کھڑا کیا تھا اور تحریک پاکستان کی علمبردار مسلم قوم کو انہوں نے نہ صرف گمراہی کے راستے پر گامزن قرار دیا بلکہ عملاً ہر ممکن طریق سے اسکی مخالفت کی۔ حالات نے خود اس امر کا فیصلہ کر دیا ہے کہ برصغیر کے مسلم زعماء اور حضرت قائداعظمؒ کا فیصلہ ہی درست تھا اور وہ آٹھ برس سے کم عرصہ میں پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس نظریہ کے مخالفین جو اپنی "اولوالعزم پیغمبرانہ قیادت" کے دعویدار تھے وہ خود اس مسلم اسٹیٹ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

آج جناب مودودی صاحب کا یہ تاویل کرنا کہ وہ تحریک پاکستان کے مخالف نہیں تھے اور ایک اور طریق سے اس کے لئے کوشش کر رہے تھے کہاں تک درست ہے جبکہ وہ اس بنیاد کے خلاف تھے جس کے اوپر پاکستان کا عظیم قصر تعمیر

ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ ایک قومی اور سیاسی جماعت تھی مگر بوجہ مسلمانوں کی جماعت ہونے کے بعض اسلامی اقدار کو فائدہ پہنچنا لازمی تھا۔ لیکن جناب مودودی صاحب کو مسلمانوں کا یہ اتحاد ایک نظر بھی نہ بھایا اور اسلام کے ہی نام پر اس کی مخالفت شروع کر دی۔ اور جب پاکستان کا قیام عملی طور پر ہو گیا تو بجائے اس کے کہ مودودی صاحب اپنی بین الاقوامی اسلامی قومیت کے نظریہ کے لئے کام کرتے مسلم لیگ کی حاصل کردہ قومی اسٹیٹ کو ہی اسلامی بنانے کا مطمح نظر پیش کر دیا اگر آج وہ اپنے دائرہ عمل کو ایک خطہ کے لئے محدود کر سکتے ہیں تو اس وقت کیوں نہ اپنے خود ساختہ نظریہ کی بنیاد پر اس کی مخالفت کی۔ انصاف کی بات یہ تھی کہ بجائے اس کے کہ وہ غلط اور دور از کار تاویلات سے کام لیتے اپنے گذشتہ طرز عمل کی غلطی کا واضح طور پر اعتراف کرتے اور عذر گناہ بدتر از گناہ کے مرتکب نہ ہوتے۔

قائدِ اعظم اور مُسلم زُعماء

گذشتہ صفحات میں یہ حقیقت واضح طور پر نکھر کر سامنے آ چکی ہے کہ جناب مودودی صاحب کو نظریہ پاکستان اور اس کی علمبردار جماعت سے سخت اختلاف تھا۔ اس بناء پر ان نظریات کو پیش کرنے والے اور عملی طور پر چلانے والے زعماء حضرت قائداعظمؒ ۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان اور علامہ اقبال اور دیگر لیڈروں سے بھی ان کو عناد تھا۔ جس کا اظہار ان کی تحریروں میں جا بجا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو "عالمِ اسلام" سمجھتے تھے اور باقی تمام لیڈروں کو "غیر اسلامی ذہنیت" رکھنے والے گردانتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"باقی رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بناء پر اسلام اور جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ و ریاضت کی کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کے اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی تنظیم کے استادِ فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۳)

اس اقتباس سے واضح طور پر مترشح ہوتا ہے کہ ان کی مراد حضرت قائداعظمؒ اور جناب قائدِ ملت اور دیگر لیگی زعماء سے ہے۔ چنانچہ مزید کھل کر فرماتے ہیں:۔

"مگر افسوس ہے کہ لیگ کے قائدِ اعظمؒ سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔ ان کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں جیسی دنیا میں دوسری قومیں ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس "اسلامی سیاست" ہے۔ حالانکہ ایسی ادنیٰ درجہ کی سیاست کو اسلامی سیاست کہنا اسلام کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی سے کم نہیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

یہ حوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم کے اس ایڈیشن سے دیا گیا ہے جو [illegible] میں تقسیم ملک سے قبل شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کا جو ایڈیشن [illegible] میں لاہور سے شائع ہوا اگرچہ اس کے دیباچہ میں لکھا گیا تھا کہ "اسے بغیر کسی ردو بدل کے جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے" مگر اس میں "قائداعظم" کی جگہ "بڑے لیڈروں" کر دیا گیا۔ یہ تحریف جماعت اسلامی کی صالحانہ تحریف کا شاہکار ہے۔

چونکہ جناب مودودی صاحب کے نزدیک تمام لیگی زعماء بشمول حضرت قائد اعظمؒ کے اسلام سے کورے تھے اس لئے انکی قیادت قطعاً غلط تھی۔ اسی لئے آپ نے انتہائی کوشش کی کہ مسلم قوم کو اس امر کے لئے اکسائیں کہ وہ انکو اپنا "پیشوا" تسلیم نہ کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"اس تنظیم میں جو لوگ سب سے آگے صف میں نظر آتے ہیں اسلامی جماعت میں ان کا صحیح مقام سب سے پیچھے کی صف ہے۔ بلکہ بعض تو وہاں بھی برعایت ہی جگہ پا سکتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو **پیشوا بنانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ریل کے سب سے پچھلے ڈبے کو انجن کی جگہ لگا دینا۔** جس چڑھائی پر آپ جانا چاہتے ہیں یہ نام نہاد انجن آپ کی گاڑی کو اس طرف ایک انچ لے کر نہیں جا سکتا۔ البتہ گاڑی اپنے وزن سے آپ نشیب کی طرف لڑھکے گی۔ اور آپ لوگ کچھ مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ ماشاءاللہ ہمارا انجن اسے خوب اڑائے لئے جا رہا ہے اس حقیقت کو جتنی جلد سمجھ لیا جائے اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ ہر لمحہ جو گذر رہا ہے وہ آپ کو اوپر کی بجائے نیچے کی طرف لے جا رہا ہے۔ جو لوگ آپ کی تہذیب کو جانتے نہیں وہ اس کا تحفظ کیا کریں گے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم)

عجیب امر یہ ہے کہ جن مسلم زعماء کو جناب مودودی صاحب خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کے نزدیک وہ "پچھلی صف" میں بھی بیٹھنے کے قابل نہ تھے خدا تعالےٰ نے ان کو ہی اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ ایک عظیم مسلم مملکت کا قیام کریں اور اس طرح مسلم قوم کے تحفظ کا عظیم الشان فریضہ بجا لائیں۔ آنے والی نسلیں ان محسنان قوم کی ہمیشہ احسان مند رہیں گی۔

کام اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم میں لیگ کے تمام زعماء پر سخت تنقید کی اور ان کی قیادت کو غیر اسلامی قرار دیا اور اس بناء پر آپ مسلمانوں کی زندگی و موت کی کشمکش کے وقت تماشائی بن کر کھڑے دیکھتے رہے اور اپنی تحریرات سے یہ سمجھتے رہے کہ مسلم قوم ان کو اپنا رہنما تسلیم کرے گی۔ کیونکہ تمام "اسلامی قیادت" کی صفات انکے اندر پائی جاتی ہیں۔ آج جناب مودودی صاحب کے حواری بڑی تعلی سے مودودی صاحب کو حضرت قائد اعظمؒ کا منظور نظر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارا ان سے صرف یہ سوال ہے کہ کیا جناب مودودی صاحب نے کسی وقت بھی حضرت قائد اعظمؒ کی مسلمانوں کی قیادت کو صحیح تسلیم کیا تھا؟ وہ تو اپنی کتابوں میں یہی تحریر کرتے رہے :-

"لیکن یہاں مسلمانوں کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہ

اسلام کو جانتے ہیں نہ اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔ نہ ان کو اس منبع کی خبر ہے جہاں اسلام کی قوت تسخیر چھپی ہوئی ہے۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

اگر اپنے ان خیالات سے جناب مودودی صاحب نے آج تک کبھی بھی سجدہ سہو کر لیا ہو تو اس کو منظر عام پر لانا چاہیئے۔ کیا "اسلامی سیاست" جس سے مسلم لیگ کو معرا ہونے کا طعنہ جناب مودودی صاحب دیتے تھے وہ اس بات کا نام ہے کہ عوام کو غلط اور باطل دعاوی کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنایا جائے؟

تحریک پاکستان کی علمبردار جماعت اور جماعت اسلامی

تحریک پاکستان کی علمبردار جماعت مسلم لیگ تھی۔ اس جماعت نے حضرت قائد اعظمؒ اور جناب قائد ملت اور دیگر مسلم زعماء کی سرکردگی میں تحریک پاکستان کو چلایا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ انکی مساعی مختصر عرصہ میں بار آور ہوئیں اور پاکستان کا وجود دنیا کے نقشہ پر ثبت ہوا۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت نے اس جماعت میں شمولیت اختیار کی اور اکثر مسلمانوں کا درد رکھنے والی اسلامی تحریکات نے بھی قیام پاکستان کے لئے ہر ممکن کوشش اور قربانی کی۔ اور اس طرح مسلمانوں کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت کے ہاتھ مضبوط کئے۔ اس موقعہ پر جناب مودودی صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ بڑا ہی عجیب ہے۔ آپ نے مسلم لیگ کو ایک "قوم پرست" تحریک قرار دیا اور اس بنیاد پر مسلمانوں کو اس تحریک میں شمولیت سے باز رکھنے کی سعی کی۔ اور اس کے بالمقابل اپنی الگ جماعت کھڑی کر دی اور مسلمانوں کو اس کی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ یہ تو محض خدا تعالیٰ کی مشیت کام کر رہی تھی کہ مسلم لیگ پاکستان کو بنانے میں کامیاب ہو گئی ورنہ جناب مودودی صاحب اور ان جیسے دیگر کانگرسی علماء نے اس کو ناکام کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"آپ کی سب سے بڑی قومی مجلس، مسلم لیگ جس کو نو کروڑ مسلمانوں
کی نمائندگی کا دعوٰے ہے، ذرا اس کو دیکھئے کہ اس وقت وہ کس
روش پر چل رہی ہے .... میں اس معاملے کو ہندوستانی
وطن پرست کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ مجھے اس سے بھی کوئی بحث
نہیں کہ سیاسی حیثیت سے مسلم لیگ کی یہ پالیسی مسلمان کی اس قوم
کے لئے جو ہندوستان میں بستی ہے مفید ہوگی یا مضر۔ میرے لئے
جو سوال اہمیت رکھتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو قوم اس وقت
مسلمان کے نام سے پکارے جانے کے باعث دنیا میں اسلام کی
نمائندہ سمجھی جاتی ہے اس کی سب سے بڑی مجلس نے دنیا کے سامنے
اسلام کو کس رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس نقطہ نظر سے جب میں مسلم
لیگ کے ریزولیوشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم
کرنے لگتی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صـ ۲۹)

جناب مودودی صاحب کی مخالفت کے باوجود مسلم لیگ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن گئی اور اس کے ذریعہ پاکستان کا ریزولیوشن بھی معرض وجود میں آگیا تو مودودی صاحب نے اس کو ناکام بنانے کے لئے ایک الگ جماعت بنانے کے لئے اقدام کیا اور ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کو کھڑا کر دیا اور مسلمانوں اور

غیر مسلموں کو اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ اور اس طرح مذہبی طور پر مسلم لیگ کو ناکام بنانے کے لئے ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ اور مسلم لیگ کو ہر لحاظ سے ہدفِ تنقید بنایا۔ چنانچہ اس زمانہ کے ترجمان القرآن کے پرچے اس کا واضح ثبوت ہیں جن میں آپ نے جابجا مسلم لیگ کی قیادت کمزور کرنے کے لئے ہر ممکن پروپیگنڈہ کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"مسلم لیگ کی تحریک کے متعلق پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اسکے بنیادی
تصورات اس کا نظام ترکیبی اس کا مزاج اور اسکی سپرٹ اس کا
طریق کار اور اس کے مقاصد سب کچھ وہی ہیں جو قومی اور قوم پرستانہ
تحریکوں کے ہوا کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کی قومی تحریک
ہے اور مسلمانوں کی ہر تحریک اسلامی بن جایا کرتی ہے۔ اس لئے
خواہ مخواہ اسے بھی اسلامی تحریک سمجھ لیا گیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے
کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری
ہی چیز ہے۔ جس کا کوئی شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں
پایا جاتا اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اسلام اپنے مخصوص طریق
کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اس تک آپ ایک قوم
پرستانہ تحریک کے ڈھنگ اختیار کرکے پہنچ جائیں۔ ہر منزل اپنی
فطرت کے لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔ آپ اسلام
کی منزل مقصود کو پہنچنا چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مخصوص

راہ کو سمجھنا اور اسے اختیار کرنا پڑے گا۔ قوم پرستی کے طریقے اختیار
کرکے آپ قومیت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر یہ توقع
کرنا انتہائی پراگندہ خیالی ہے کہ ان ڈھنگوں سے آپ اسلامی منزلِ
مقصود تک جا پہنچیں گے۔ اس نقطہ کی توضیح کا یہاں موقعہ نہیں
ہے۔ میں "مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم" میں تفصیل کے
ساتھ بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ
تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو پھر اسکی تشریح کر سکتا ہوں
یہاں پر اشارۃً صرف اتنی بات واضح کر دینا کافی
سمجھتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ
خبر دینا کہ تمہارے لئے ایک قوم پرستانہ تحریک نے
بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیئے ہیں کسی بصیرت اور معاملہ
فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے
جیسے کسی عازمِ کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل کھڑا ہے"۔

(ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء)

قیام پاکستان سے قبل جناب مودودی صاحب اپنی جماعت کو "اصولی
تحریک" قرار دیتے تھے اور مسلم لیگ کو قوم پرستانہ تحریک کہتے تھے۔ اس بنا پر وہ
اس کے مخالف تھے اور اس کو اپنی موہوم "اسلامی منزل" کے برعکس سمجھتے تھے لیکن

تعالیٰ کا عجیب تصرف ہے کہ جناب مودودی صاحب نے اپنی تحریک کو "عازم کلکتہ"
سلم لیگ کو "کراچی میل" سے تشبیہ دی اور بالآخر جناب مودودی صاحب کو "کراچی
میل" میں ہی سوار ہونا پڑا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مسلم لیگ سے اختلاف اور اس کی مخالفت کو اب جناب مودودی صاحب
نے تسلیم بھی کر لیا ہے چنانچہ اپنے حالیہ ایک بیان میں فرماتے ہیں:-

"میں نے کبھی پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت نہیں کی لیکن مسلم لیگ
سے اختلاف کیا تھا۔ مسلم لیگ جس طرح تحریک چلا رہی تھی اس پر
اعتراض تھا۔"

(جنگ کراچی۔ ۷ فروری ۱۹۷۰ء)

جناب مودودی صاحب نے مسلم لیگ کی مخالفت کو دبے الفاظ میں ہی
تسلیم کیا ہے حالانکہ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے آپ اس تحریک کے شدید مخالفین
میں سے تھے۔ اور کسی موقعہ پر آپ نے قیام پاکستان کی داعی تحریک کے ساتھ تعاون
نہیں کیا۔ کیا ہر عقلمند اس امر کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتا کہ جب جناب مودودی صاحب
کو تحریک پاکستان کی علمبردار جماعت سے اختلاف تھا اور آپ اسے اپنی تحریک کے
برعکس سمجھتے تھے تو پھر آپ نے قیام پاکستان کی مخالفت میں کیا کسر اٹھا رکھی تھی۔
۱۹۴۶ء میں جب پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کا وقت آیا تو جماعت اسلامی
کے ایک ممبر نے جناب مودودی صاحب سے استفسار کیا "کانگریس کی تحریک تو سراسر

کفر ہے اس کا ساتھ دینا مسلمانوں کی موت کے مترادف ہے۔ اس کے مقابلہ میں لیگ کی تحریک اگرچہ غیر اسلامی ہے لیکن اس سے یہ خطرہ نہیں کہ دس کروڑ مسلمان ہند کی قومی ہستی ختم ہو جائے۔ لہٰذا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیگ سے باہر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ہمدردی کریں؟ ...... کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں؟ یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں"

قیام پاکستان کی تاریخ میں ۱۹۴۶ء کے الیکشن فیصلہ کن اہمیت کے حامل تھے لیکن جناب مودودی صاحب اس نازک وقت میں بھی مسلم لیگ کی ہمنوائی کے لئے[۱] تیار نہ ہوئے اور آپ نے اس سے گریز کرنے کے لئے عجیب بہانہ تراش لیا۔ اور فرمایا:-

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو بہرحال ایک با اصول جماعت

۱؎ معلوم ہوتا ہے جناب مودودی صاحب نے اپنی جماعت کے افراد میں یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا کہ تحریک پاکستان کی علمبردار جماعت یعنی مسلم لیگ ایک "غیر اسلامی" تحریک ہے۔

ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کریں جن پر ہم ایمان لائے۔ موجودہ کافرانہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہوا ہے .... بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو ... اب خود ہی سوچ لیجئے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے آخر ہم کس طرح انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں"۔

(ترجمان القرآن ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ محض خدا تعالےٰ کی تائید و نصرت تھی کہ مسلم لیگ کثیر اکثریت سے کامیاب ہو گئی اور مودودی صاحب کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور جمہور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی انکی نمائندہ جماعت ہے اور اس طرح پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے آثار افق آزادی پر نمایاں ہو گئے۔ اور جناب مودودی صاحب کی قیام پاکستان میں تمام رکاوٹیں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا سوال پیدا ہوا اور آپ کی جماعت کے ایک فرد نے آپ سے ووٹ دینے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اپنے سابقہ طرزِ عمل میں قدرے نرمی اختیار کرتے ہوئے فرمایا:-

"یہ معاملہ نہ اصولی ہے نہ مقصدی۔ اس لئے ارکان جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جو رائے چاہیں دے دیں۔ البتہ شخصی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں خود صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا۔ اس لئے کہ جب ہندوستان کی تقسیم ہندو اور مسلم قومیت کی بنیاد پر ہو رہی ہے تو لامحالہ ہر اس علاقے کو جہاں مسلمان قوم کی اکثریت ہو اس تقسیم میں مسلم قومیت ہی کے علاقے کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے۔"

(کوثر ۵ جولائی ۱۹۴۷ء)

آج جناب مودودی صاحب اور ان کی جماعت قیام پاکستان کی تائید میں اپنے کردار کی وضاحت کے لئے اس حوالہ کو بڑے زور سے پیش کرتی ہے حالانکہ اس موقعہ پر بھی جناب مودودی صاحب نے اپنی جماعت کو پاکستان کے حق میں ووٹ دینے کے لئے پابند نہیں کیا۔ اور ان کی صوابدید پر معاملہ کو چھوڑ دیا۔ اور پھر قابل غور امر یہ ہے کہ جب یہی مسئلہ ۱۹۴۶ء میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے "با اصول جماعت" ہونے کے لحاظ سے اس کے جواز کا کوئی راستہ پیش نہ کیا لیکن صرف ایک سال بعد جب قیام پاکستان کی مہم اپنی کامیابی کے مراحل تیزی سے طے کر رہی تھی تو اس وقت آپ نے اس معاملہ کے "اصولی" اور

"مقصدی" ہونے سے ہی انکار کر دیا اور "مسلم قومیت" کا بھی اقرار کر لیا۔ حالانکہ اسی بناء پر آپ تحریک پاکستان کے مخالف رہے تھے لیکن ؎

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

کیا اس سے یہ واضح طور پر اندازہ نہیں ہوتا کہ آپ مصلحت بینی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

حال ہی میں جناب مودودی صاحب نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے :-

"جماعتِ اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی اور کوئی شخص بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اپنے قیام کے وقت سے لے کر اگست ۱۹۴۷ء تک اس جماعت نے کبھی قیام پاکستان کے خلاف کوئی قرارداد پاس کی ہو یا کوئی جلسہ یا مظاہرہ کیا ہو یا کسی شکل میں تحریک پاکستان کی مخالفت کی ہو۔"

(امروز ۱۰ر جنوری ۱۹۷۰ء)

گذشتہ صفحات میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ تحریکِ پاکستان جس بناء پر برصغیر میں شروع ہوئی (یعنی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر) جناب مودودی صاحب اسے غلط سمجھتے تھے۔ پھر حضرت قائداعظم اور دیگر مسلم زعماء جو اس نظریہ کے علمبردار تھے وہ جناب مودودی صاحب کے معیارِ "صالحیت" پر پورے نہیں اترتے تھے۔ اور آپ نے ان کے خلاف کھل کر تنقید کی۔ پھر جو جماعت تحریک پاکستان کی علمبردار تھی مودودی صاحب کو اس سے شدید اختلاف تھا اور آپ نے

اسے قوم پرستانہ تحریک کا نام دیا اور اس کے بالمقابل اپنی جماعت اسلامی کی بِ
اس لئے رکھی تاکہ اس تحریک کو فیل کیا جائے۔ آخر ان تمام امور کو پاکستان کی
مخالفت نہ کہا جائے تو اور کیا نام دیا جائے ہے؟ بہرحال جس رنگ میں پاکستا
کا قیام ہوا جناب مودودی صاحب اس کے حق میں ہرگز نہیں تھے۔ اور جو پاکستان
ان کے ذہن میں تھا اس کا نقشہ وہ خود پیش کرتے ہیں:۔

"یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرہ سے کرنے میں پاکستان بنانے
کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر یہ فی الواقع
خلوصِ قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو
سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے۔ اور اس میں ایک لادینی
جمہوری حکومت (SECULAR DEMOCRACY)
یا عوامی پارلیمنٹری حکومت (POPULAR PARLIA-
MENTARY GOVT.) نہیں بلکہ خالص خدا
کی حکومت کتاب و سنت کے اصول پر قائم ہو سکتی ہے۔ اسلام
کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی۔
اگر لوگ اسلام اور اسلامی طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے
خلاف پا کر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں
سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور

اس کے رسول کے کام کو چھوڑیئے اور ہمارے نفس کے کام میں
حصہ لیجئے۔"

جناب مودودی صاحب کو جب اعتراف ہے کہ پاکستان کی لڑائی ایک قومی لڑائی تھی اور ان کی مزعومہ "اسلام کی لڑائی" کے ساتھ اکٹھی نہیں لڑی جا سکتی تھی تو پھر وہ کیوں کھل کر اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ پاکستان کے اس تصور کے خلاف تھے اور جمہور مسلمانوں کی اس تحریک سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور وہ خود اور انکی جماعت مسلمانانِ ہند کی زندگی اور موت کی اس کشمکش میں نہ صرف الگ تھلگ رہی بلکہ عملاً مخالف رہی۔ ہر ایک عقلمند آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو جماعت اصولی طور پر نظریہ پاکستان کے خلاف تھی اور اس کے قائدین کو مطعون کر رہی تھی وہ آج کس طرح اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ نظریہ پاکستان کا تحفظ کر سکتی ہے۔ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ جس مقصد کو یہ جماعت دشمن بن کر حاصل نہ کر سکی آج بظاہر اسکی ہمدردی کا دم بھر کر حاصل کرنا چاہتی ہے؟

جسٹس منیر اور جسٹس ایم آر کیانی کی رائے

غرض یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جناب مودودی صاحب مسلمانوں کے قومی تحفظ کی تحریک پاکستان کے مخالفین میں سے تھے اور اس کے متعلق ہر وہ شخص جو جماعت اسلامی کے لٹریچر سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے بخوبی

آگاہ ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق ہم آخر میں ایک بے لاگ رائے درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جسٹس ایم آر کیانی مرحوم اور جسٹس محمد منیر نے ۱۹۵۳ء میں پنجاب میں جماعت اسلامی اور دیگر بعض جماعتوں کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں فسادات کے سلسلہ میں جو رپورٹ مرتب کی اس میں جماعت اسلامی کے متعلق تحریر کیا :۔

"جماعت اسلامی کا نظریہ نہایت سادہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کی جائے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ایک دینی سیاسی نظام قائم کیا جائے جس کو جماعت "اسلام" کہتی ہے۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے وہ نہ صرف پروپیگنڈہ کو ضروری سمجھتی ہے بلکہ آئینی ذرائع سے (اور جہاں ممکن ہو وہاں قوت سے) سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔ جو حکومت جماعت کے تصوّر پر مبنی نہ ہو مثلاً اس کی بنیاد قومیت پر ہو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک "کفر" ہے اور تمام لوگ جو ایسی حکومت میں ملازمت یا کسی دوسری حیثیت سے حصّہ لے رہے ہیں یا رضامندی سے اس نظام کی اطاعت کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔ لہٰذا جماعت تصورِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان

قائم ہوا ہے جس کو "ناپاکستان" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔ اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی ممکن مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جن میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۶۱)

فاضل جج صاحبان نے پوری تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ جماعت اسلامی تحریک پاکستان کی ہر لحاظ سے مخالف تھی اور کبھی بھی اس کی تائید میں نہیں تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اب جماعت اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور پروپیگنڈہ کے زور سے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر جماعت کی صالحیت کا یہی معیار ہے تو

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ملک کے سنجیدہ طبقہ کی طرف سے جماعت کو یہ ہمدردانہ مشورہ دیا گیا کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ جماعت نے تحریک پاکستان میں کوئی کردار ادا نہیں کیا حتیٰ کہ جناب

شورش کاشمیری صاحب جو آجکل جماعت اسلامی کے منّاد بنے ہوئے ہیں انہوں نے بھی ایک وقت میں جماعت کو یہی مشورہ دیا تھا کہ :۔

"تعبیروں سے انسان ہمیشہ زنجیروں میں پھنس جاتا ہے ۔ جماعت اسلامی کو اعتراف کرنا چاہیئے تھا کہ ماضی مرحوم میں مسلم لیگ کی ہمنوا نہیں رہی ۔ اس نے پاکستان بن جانے سے پہلے تحریک پاکستان میں حصّہ نہیں لیا اور لیگی زعماء اسکے نقد و نظر میں رہے ۔"

(چٹان ۱۳ جنوری ۱۹۶۴ء)

کیا اب بھی جماعت اسلامی اپنے موقف کی غلطی کا اعتراف کرنے کیلئے تیار ہے ؟!

جماعت اسلامی

بعد از

قیامِ پاکستان

جماعتِ اسلامی بعد از قیامِ پاکستان

مزعومہ اسلامی حکومت

پاکستان کا قیام جس رنگ میں وجود پذیر ہؤا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالےٰ کی مشیت کے عین مطابق تھا۔ اور یہ عجیب امر ہے کہ جو مسلمان جماعتیں یا افراد اس تحریک کے خلاف تھیں ان کی اکثریت بالآخر اس ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئیں چنانچہ جناب مودودی صاحب کو بھی جو پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور میں ایک دارالاسلام قائم کئے ہوئے تھے اور وہاں سے "حکومت الٰہیہ" کے قیام کے متعلق بلند بانگ دعاوی کر رہے تھے مشرقی پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات کا مقابلہ نہ کر سکے اور ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنے دارالاسلام کو سکھوں کے حوالے کر کے بقول ان کے "جنت الحمقاء"[1] یعنی پاکستان میں پہنچ گئے اور لاہور میں

---

[1] جناب مودودی صاحب نے پاکستان کو "جنت الحمقار" کے خطاب سے نوازا تھا اور اپنی منزلِ حق کے مقابلہ میں پاکستان کے حصول کیلئے کوشش کو بے سود سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:-
"چونکہ منزل حق یہی ہے اس لئے ہم اسکی طرف دوڑتے ہوئے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں بہ نسبت اسکے کہ جانتے بوجھتے غلط مگر آسان راہوں میں اپنی قوت صرف کریں یا نادانی کیساتھ جنت الحمقار کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں" (ترجمان القرآن، فروری [illegible])

"مولانا کو پاکستان سے کد یہ تھی کہ اسکے بانی ہونے کا سہرا قائداعظم کے سر کیوں ہے؟ میرے سر کیوں نہیں؟ حالانکہ یہ سہرا انکے سر نہیں باندھا جا سکتا تھا کیونکہ جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی نے نہ صرف تحریک پاکستان میں کوئی کام نہیں کیا تھا بلکہ اسکی مخالفت کی تھی اور جماعتِ اسلامی کے ممبروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ پاکستان کی بنیاد پر ہونے والے انتخابات میں غیر جانبدار رہیں یعنی پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اس انتخاب میں پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دینے کا مطلب پاکستان کے خلاف ووٹ دینا تھا۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ قائداعظم اور تحریک پاکستان کیخلاف مولانا مودودی کا بغض آج بھی اسیطرح قائم ہے"

(اداری نوٹ از جناب حمید نظامی صاحب مدیر نوائے وقت، ۱۵ جولائی ۱۹۵۵ء)

اچھرہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔

مودودی صاحب نے ۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی تھی تو اس وقت اپنی جماعت کا یہ مقصد بیان کیا تھا کہ وہ کسی خاص قوم اور خطے کے لئے کام نہیں کرے گی بلکہ ان کی "اسلامی تحریک" ایک بین الاقوامی تحریک ہوگی جس میں مسلمانوں کا "صالح عنصر" اور غیر مسلموں سے "سعید روحیں" شامل ہونگی چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ان تحریکوں کی نظر ہندوستان تک اور ہندوستان میں بھی صرف مسلم قوم تک محدود رہی ہے۔ ہاں وسعت اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلادی۔ بہرحال یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو پہلے سے مسلم قوم میں شامل ہیں۔ .... بالفعل ان میں سے اکثر کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں الٹی سدِّ راہ بن گئی ہیں۔ ان کے کاموں میں کوئی چیز ایسی شامل نہیں رہی ہے جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو۔ .... ہماری جماعت میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح عنصر کھنچ کر آئے گا بلکہ نسلی غیر مسلموں میں بھی جو سعید روحیں موجود ہیں، وہ انشاء اللہ اس میں شامل ہوتی جائیں گی۔"

(روداد جماعت اسلامی صہ ۵-۶)

قیام پاکستان سے قبل ان کی جماعت اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوسکی اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک غیر مسلم روح بھی ان کو نہ مل سکی اور کسی ایک ہندو یا سکھ کو وہ متاثر نہ کرسکے اور صرف بعض نسلی مسلمان ہی آپ کی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ گویا تقسیم سے قبل چھ سال کے عرصے میں آپ کو مسلمانوں میں ہی قدرے کامیابی ہوئی اور غیر مسلم آپ کی تحریک سے بالکل متاثر نہ ہوئے۔ اور اس طرح آپ کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

لیکن باوجود اس حقیقت کے کہ آپ کی تحریک کو مسلمانوں میں ہی رسوخ حاصل ہوا اور غیر مسلم اس سے متاثر نہ ہوئے پھر بھی جناب مودودی صاحب مسلمانوں کی قومی حکومت کو اپنی کامیابی کے لئے کوہ گراں سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہوا ہوگا اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم ہوتی ہے۔"

(اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، زیر عنوان خام خیالیاں ۔ طبع اول صہ ۲۱)

اِس بناء پر آپ ہندوستان میں رہ کر اپنے کام کو کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تقسیم سے قبل ترجمان القرآن کے آخری پرچہ میں جو جون ۴۷ء میں شائع ہوا، فرماتے ہیں:۔

"میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب پیدا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔ میری اس بات کو بہت سے لوگ ایک غرقِ تخیل آدمی کا خواب سمجھتے ہیں اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غالباً یہ تصوف کا کوئی نقطہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

گویا جناب مودودی صاحب سمجھتے تھے کہ "اسلامی انقلاب" کے لیے "مسلم اکثریت کے علاقوں" کی نسبت "غیر مسلم اکثریت کے علاقوں" میں زیادہ مواقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحریک پاکستان سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے اکھنڈ ہندوستان میں اپنے انقلاب کے لیے فضا کو زیادہ ساز گار پاتے تھے لیکن جب ملک تقسیم ہو گیا اور مشرقی پنجاب کے حالات خطرناک صورت اختیار کر گئے، تو پھر آپ کو یہی "نقطہ" سوجھا کہ پاکستان کا رخ کیا جائے۔

یہ معجزہ ہے میری کامیابی کا ÷ کہ بے وفاؤں کو یاد آتا ہوں

پاکستان میں پہلا کام — تنقید

جناب مودودی صاحب کی ذاتی خواہش اور کوشش یہی تھی کہ وہ ہندوستان میں ہی رہ کر اپنی تحریک کو جاری رکھیں کیونکہ وہاں انھوں

زیادہ بہتر نتائج کی توقع تھی مگر بادلِ ناخواستہ حالات کے پیشِ نظر پاکستان میں آنا پڑا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے محسوس کیا کہ مسلم قوم کے دل میں بانیانِ پاکستان کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور تحریک پاکستان کے دشمن یہاں نفوذ حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ نے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے کے لیے یہ طریق اختیار کیا کہ حضرت قائد اعظم اور دیگر مسلم زعماء پر شدید نکتہ چینی کی تاکہ انکی غلطیاں گنوا کر اپنے موقف کی درستی ثابت کی جا سکے۔ چنانچہ حکومت پاکستان کی طرف سے ترجمان القرآن کے دوبارہ اجراء کی اجازت ملتے ہی جو سب سے پہلا پرچہ جون ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا اس میں آپ نے مسلم قائدین پر سخت ناپاک اور رکیک حملے کئے۔ ملاحظہ فرمایئے:-

"انسان انسان سے بارہا لڑا ہے مگر لڑائی میں کمینہ پن اور بدمعاشی کا جو مظاہرہ یہاں ہوا ہے یہ اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ یہاں انسان صورت جانوروں نے وہ وہ کام کئے ہیں کہ اگر کتوں اور بھیڑیوں پر ان کا الزام تھوپ دیا جائے تو وہ بھی اسے اپنی توہین محسوس کریں اور یہ کرتوت چند گنے چنے بدمعاشوں کے نہیں تھے بلکہ پوری پوری قوموں نے اپنے آپ کو بدمعاش ثابت کیا۔ باقاعدہ حکومتیں بدمعاش بن گئیں۔
...... کیا یہ سب کچھ جو رونما ہوا ایک اتفاقی حادثہ تھا؟

جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی راہنمائی کر رہے ہیں اور جنکی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے (یعنی قائداعظم وغیرہ ناقل) وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس فسادِ عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں۔ وہ اسکی ایک شاعرانہ توجیہہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔"

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"اس قیادت کی غلطیاں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جا سکے۔۔۔۔۔۔ اس سارے سرمایہ اعمال میں اگر کسی چیز کو نفع کے خانہ میں رکھا جا سکتا ہے تو وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ انہوں نے کم از کم آدھے مسلمانوں کو بچا لیا اور انکی ایک قومی ریاست بنوا دی۔ لیکن افسوس کہ اس "ردِ عمل" کارنامے کو بھی ہم بدترین غلطیوں سے داغدار پاتے ہیں اور بری طرح ان کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ تقسیم ہند کا معاملہ جس

طریقے سے طے کیا گیا وہ غلطیوں بلکہ حماقتوں کا ایک مجموعہ تھا۔"

اس دور کی جناب مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کی تحریروں کا تمام تر زور اس امر پہ صرف ہوتا رہا کہ قائدین تحریک پاکستان کے نقائص بیان کئے جائیں اور ان کے خلاف نفرت و تنفر کی فضا پیدا کی جائے۔ حالانکہ قیامِ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی جو سنگین مسائل پیدا ہو گئے تھے ان کے حل کے لئے تعمیری کردار کی ضرورت تھی۔

ہم کو ہے ان سے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

مطالبہ نظام اسلامی

جناب مودودی صاحب جس حکومت الٰہیہ کے قیام کا پروگرام لے کر کھڑے ہوئے تھے اس کے لئے آپ کے ذہن میں جو ابتدائی پروگرام تھا وہ یہ تھا کہ ایک ایسا صالح گروہ فراہم کیا جائے جو صحیح رنگ میں اسلامی اصولوں سے تربیت یافتہ ہو اور پھر وہ نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ ہمسایہ ممالک میں بھی ایک انقلاب برپا کر دے گا۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے آپ اس امر پہ زور دیتے رہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ فی الواقعہ نظام اسلامی کے قیام کے خواہاں ہیں تو پہلے اپنے آپ کو اور اپنے لوگوں کے دلوں کو بدلئے۔ وہ دل

ان جسموں کو بدلیں گے جن میں وہ دھڑک رہے ہوں گے۔ پھر وہ اجسام اپنے گھروں اور خاندانوں اور بستیوں اور شہروں کو بدلیں گے جن میں وہ رہتے ہوں گے۔ انکی سیرتیں، انکی صورتیں، انکے معاملات، تعلقات، سیاست، تجارت، معاشرت اور تمدن ہر شے بدلتی جائے گی تا آنکہ ایک ایسی سوسائٹی اور جماعت بن جائیں گے کہ ان کے اندر کسی دوسرے نظریۂ زندگی کا عملاً چلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اور وہ نظام اسلامی وجود میں آئے گا جس کی ہر چیز اسلامی اور ہر جز سرتاپا اسلام ہوگا۔ اسلامی نظام ہمیشہ اس طریق پر قائم ہوتا ہے اور آئندہ کبھی ہوگا تو اس طریق پر ہوگا۔ جو لوگ اسکے سوا دوسرے کسی طریقے کو بھی اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت دھوکے میں ہیں اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے اس دھوکے کو جلد از جلد دور کریں"۔

(روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صـ ۱۵۳-۱۵۲)

جناب مودودی صاحب نے انقلاب برپا کرنے کا جو فطرتی طریقہ بتایا تھا وہ ایک اٹل حقیقت ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ کام محض

تعالیٰ کے فضل اور انتہائی مجاہدہ کے بعد ہی سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ کسی مصنوعی طریق سے اس میں کامیابی اور پائیداری نصیب نہیں ہو سکتی چنانچہ ۱۹۴۷ء میں آپ نے اسی نہج پر کام کے لئے پروگرام پیش کیا تھا۔ فرماتے ہیں:-

"مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صالح اہل ایمان

ا۔ کے عنصر کو چھانٹ کر اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تربیت کے ساتھ منظم کیا جائے۔۔۔۔۔۔

ب۔ اس گروہ کے ذریعہ سے عام مسلمین میں اسلامی شعور و فہم اور اسلام اور غیر اسلام کی تمیز پیدا کی جائے۔۔۔۔۔۔ اور ان کی رائے عامہ کو اس حد تک تیار کر دیا جائے کہ اگر جمہوری طریقوں پر ملک میں انقلاب کرنا ممکن ہو تو خالص اسلامی طرز پر کام کرنے والی جماعت کے سوا کوئی دوسرا گروہ انہیں بے وقوف بنا کر یا ان کے سامنے غیر اسلامی مقاصد پیش کر کے ان سے ووٹ نہ حاصل کر سکے اور اگر جمہوری طریقے قابل عمل نہ ہوں تو وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں۔۔

۔۔۔۔۔۔

اور یہ بھی کہا تھا:-

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس پروگرام کو ایک لمبا
پروگرام سمجھتے ہیں ...... لیکن واقعہ یہ ہے کہ ...
...... سارا دیر طلب کام صرف اس ابتدائی صالح گروہ
کی تنظیم و تربیت کا ہے جو اسلامی انقلاب کی ایک وسیع
تحریک کا موزوں محرک ہو سکے ...... اس ابتدائی
مرحلہ کے گزرنے کے بعد ہماری منزل مقصود اتنی دور
نہیں رہے گی جتنی بہت سے لوگ کام کئے بغیر صرف
اپنے خیال میں دور سمجھ رہے ہیں۔ تاہم اگر یہ دور بھی ہو
تو چونکہ منزل حق یہی ہے اس لئے ہم اسکی طرف
دوڑتے ہوئے مرجانا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں بہ نسبت
اس کے کہ جانتے بوجھتے غلط مگر آسان راہوں میں
اپنی قوت صرف کریں یا بے وقوفی کے ساتھ
جنت الحمقاء کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں۔"

(ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء)

قوم کی تربیت و اصلاح کا کام اس لئے بھی ضروری تھا کیونکہ جناب مودودی صاحب کی نظر سابقہ مجددین پر بھی تھی جن میں سے بعض بقول انکے اسلئے ناکام ہوئے کہ انہوں نے اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے فضا کو پوری

طرح ساز گار نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"دوسری چیز جو مجھے تنقیدی مطالعہ کے دوران میں محسوس ہوئی
وہ یہ ہے کہ سید صاحب اور شاہ صاحب نے جس علاقہ
میں جا کر جہاد کیا اور جہاں اسلامی حکومت قائم کی اس علاقے
کو اس انقلاب کیلئے اچھی طرح تیار نہیں کیا تھا۔"

(تجدید احیائے دین صفحہ ۱۳۴)

گویا جناب مودودی صاحب کو یہ امر مسلم ہے کہ اسلامی انقلاب سے قبل اس ملک کی فضا کو اس کے لئے پوری طرح تیار کرنا چاہیئے۔ آپ اس امر کو اس قدر اہمیت دیتے رہے ہیں کہ قیام پاکستان کی جنگ سے اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو الگ رکھا تاکہ وہ اپنی "منزل حق" کی طرف رواں دواں رہے لیکن جونہی جناب مودودی صاحب نے پاکستان میں قدم رکھا تو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے اس فطری طریق کو چھوڑ کر اسلامی نظام نافذ کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا اور اس امر کو نظر انداز کر دیا کہ اگر فضا پہلے سے ساز گار نہ ہو تو اسلامی نظام کیسے کار گر ہو سکتا ہے؟

چنانچہ جماعت کے جن زعماء نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور

جن کے بعض بیانات آئندہ صفحات میں مندرج ہیں انہوں نے بھی جناب مودودی صاحب کی توجہ کو اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی، مگر آپ سیاست میں قدم رکھ چکے تھے اس سے پیچھے ہٹنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے خواہ اس کے نتائج ملک و قوم کے لئے کس قدر خطرناک کیوں نہ ہوں چنانچہ تربیت و اصلاح کے مشکل کام کو چھوڑ کر آپ سیاسی اقتدار کے لئے کوشاں رہے۔ ظاہر ہے کہ اس غیر صالح اور غیر تربیت یافتہ عنصر کی بنا پر صالح اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

سمِّ قاتل یا آبِ حیات

جناب مودودی صاحب نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز پاکستان میں مطالبہ نظامِ اسلام کے نعرہ سے کیا۔ اس سے قبل جناب مودودی صاحب نے جو کچھ اپنی جماعت کے قیام کے اغراض و مقاصد اور طریق کار بتائے تھے انکی صحت کا پتہ تبھی چل سکتا تھا جبکہ وہ عملی دنیا میں بھی کامیاب ثابت ہوں۔ ورنہ انکی حیثیت ایک حسین خواب سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ جماعت اسلامی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز نظامِ اسلام کے مطالبہ سے کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں :-

"اگر ہم قبل تقسیم کے حالات میں ہوتے تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہمارا نقطۂ آغاز کیا ہوتا اور نقشۂ جنگ کیا بنتا؛ . . . . . . ہم نے وقت کے تقاضوں کو سمجھ کر ٹھیک موقعہ پر یہ رائے قائم کی کہ کشمکش کا آغاز کرنے کے لئے اسلامی دستور کے مطالبے سے زیادہ موزوں کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اس ایک چیز کو جدوجہد کا مدار بنا کر ہم اس قابل ہو گئے کہ اپنے نصب العین کی طرف پیش قدمی کا راستہ بھی نکالیں . . .

اس کے سوا جس دوسری چیز کو بھی ہم نقطۂ آغاز بناتے
وہ اس طرح ایک شاہ ضرب کا کام نہ دے سکتا تھا۔"
(تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل صفحہ ۴۶)

جناب مودودی صاحب نے اپنے نقطۂ آغاز کے لئے جس اسلامی نظام کے نعرہ کو تجویز کیا تھا اور اسے شاہ ضرب سمجھا تھا، بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے ثابت کیا کہ درحقیقت وہ خود جماعتِ اسلامی کے لئے ایک شاہ ضرب سے کم نہ تھا، کیونکہ اس راستہ سے ہی جماعت اسلامی سیاست کی خاردار وادی میں داخل ہو گئی اور مصلحت بینی کے پیچ وخم میں الجھ کر رہ گئی۔ اصل میں آپ کو اپنے نقشہ جنگ کی کامیابی اور عملی تشکیل کے لئے جو حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑے وہ خود جناب مودودی صاحب کے اپنے قول کے مطابق ان کی تحریک کے لئے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ جماعت کی باقاعدہ تشکیل کے موقع پر مودودی صاحب نے "ہدایات" کے عنوان سے ایک تقریر کی تھی، یہ تقریر "رودادِ جماعت اسلامی" حصہ اول صفحہ ۲۸ پر موجود ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا تھا:۔

"جھنڈے، جلوس، جلسے اور نعرے یونیفارم اور مظاہرے
ریزولیوشن اور ایڈریس، بے لگام تقریریں اور گرماگرم

تحریریں اور اس نوعیت کی تمام چیزیں ان کی تحریکوں کی جان
ہیں مگر اس تحریک کے لئے سمِ قاتل۔ یہاں کا طریق
کار قرآن اور سیرت محمدی اور صحابہ کرام کی سیرتوں سے
سمجھئے اور اسکی عادت ڈالیے۔ آپ کو زبان یا قلم، یا
مظاہروں سے عوام پر سحر نہیں کرنا ہے۔"

نظام اسلام کے مطالبہ کی تحریک کے دوران جماعت اسلامی نے اس زہر کا بلادریغ استعمال کیا۔ دستور ساز اسمبلی کو سب سے زیادہ ریزولیوشن جماعتِ اسلامی نے بھجوائے۔ جلسے اور جلوس نکالنے میں جماعت اسلامی نے تمام دوسری جماعتوں کو مات کر دیا۔ مودودی صاحب کی رہائی کے لئے کثرت سے مظاہرے کئے گئے۔ مطالبات پر دستخط کرانے کی مہم شروع کی گئی۔ پوسٹر بازی تو اس جماعت کی عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ غرض وہ تمام چیزیں جو جماعت کے لئے سمِ قاتل سمجھی جاتی تھیں وہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی آب حیات بن گئیں۔

جماعت میں اس زہر کے اثر کو شروع میں محسوس نہ کیا گیا لیکن جیسا کہ آئندہ شواہد سے روشن ہوگا کہ اس زہر کا مہلک اثر آہستہ آہستہ سرایت کر گیا حتیٰ کہ جماعت کے ابتدائی کارکنوں اور زعماء نے اسکی شدت کا احساس کیا اور انہوں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ان میں جماعت کے

سابق امیر جناب امین احسن اصلاحی ، ملک محمد سعید صاحب ایڈیٹر "تسنیم" حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب ایڈیٹر "المنبر" لائلپور اور کوثر نیازی صاحب ایڈیٹر "شہاب" اور راؤ خورشید علی صاحب امیر جماعت منٹگمری قابل ذکر ہیں مگر مودودی صاحب کی ہٹ دھرم طبیعت نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور اپنی منطق کے زور سے خود اپنے سابقہ اقوال کے مطابق زہر کو تریاق ثابت کرنے میں لگے رہے۔

کشمیر کے متعلق فتویٰ اور رجوع

مسئلہ کشمیر قیام پاکستان کے آغاز سے ہی ملک کے لئے نہایت ہی اہم نوعیت کا مسئلہ رہا ہے اور ہر پاکستانی اپنے محکوم کشمیری بھائیوں کی آزادی کے لئے خواہاں اور کوشاں ہے۔ لیکن جناب مودودی صاحب نے جس طرح تحریک پاکستان کو غیر اسلامی قرار دے کر مخالفت کی تھی اسی طرح ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے لئے حکومت پاکستان کی مساعی کو شرعاً ناجائز قرار دیدیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ مئی ۱۹۴۸ء کے دوسرے ہفتہ میں آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نشر و اشاعت کے انچارج نبی بخش صاحب نظامی نے یہ سن کر کہ مودودی صاحب جماعت اسلامی سرحد کے اجتماع کے موقعہ پر پشاور آئے ہوئے ہیں ایک ملاقات میں آپ سے پوچھا کہ آپ جہاد کشمیر میں عملی حصہ کیوں نہیں لیتے؟ مودودی صاحب نے پہلے تو جواب دینے سے انکار کیا مگر پھر بڑے

اصرار کے بعد فرمایا کہ میں شرعاً اسے جائز ہی قرار نہیں دیتا۔ یہ انٹرویو جب اخبارات میں شائع ہوا تو تمام پاکستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اس پر آپ نے "تسنیم" میں لمبا چوڑا مضمون شائع کرایا اور اپنے مسلک کی تائید میں سورۂ انفال کی ایک آیت پیش کی جس میں "میثاق" کے استعمال شدہ لفظ سے آپ نے نتیجہ اخذ کیا کہ دو حکومتوں کے درمیان اگر معاہدہ ہو تو اسلام دوسری حکومت میں بسنے والے مسلمانوں کی اعانت کے لئے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا — اور چونکہ دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدات ہیں اس لئے کشمیر میں پاکستانی فوجوں کا ہندوستانی فوجوں کے خلاف لڑنا شرعاً ناجائز ہے۔ فرماتے ہیں :۔

> "جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا از روئے قرآن ناجائز ہے۔ میں جس بنا پر یہ رائے رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اولاً دونوں حکومتوں کی پیدائش ہی ایک معاہدے کے ذریعہ ہوئی ہے جو برطانوی حکومت کی پیش کردہ تجویز کو قبول کر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مسلّم نمائندوں نے باہم طے کیا تھا۔ اس معاہدہ میں یہ بات آپ سے آپ شامل تھی کہ دونوں مملکتیں ایک دوسرے کی دشمنی اور

ایک دوسرے کے خلاف برسرِ جنگ نہیں ہیں بلکہ پُرامن طریقے سے ملک کی تقسیم پر متفق ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد دونوں حکومتوں کے درمیان فوراً سفارتی تعلقات قائم ہو گئے اور ہائی کمشنروں کا تبادلہ ہوا۔ سفارتی تعلقات ہمیشہ سے حالاتِ جنگ نہ ہونے کی دلیل سمجھے جاتے ہیں اور دونوں حکومتوں کے درمیان مالی اور تجارتی معاہدات اور مہاجرین کے مختلف مسائل اور اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی اور کرنسی معاملات کے متعلق مسلسل سمجھوتے ہوتے رہتے ہیں اور یہ تمام سمجھوتے اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے درمیان حالتِ جنگ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔"

(تسنیم ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء)

گویا جناب مودودی صاحب کے نزدیک جب تک حکومت پاکستان اپنے ان تمام معاہدات کو جو اس نے ہندوستان سے کئے ہیں منقطع نہ کر دے اور جب تک دونوں ملکوں کے مابین سفارتی تعلقات قائم ہیں کشمیر میں جنگ کرنا پاکستانیوں کے لئے ناواجب ہے اور کشمیر کے جہاد میں پاکستانی اس وقت حصہ لے سکتے ہیں کہ جب حکومت پاکستان اعلان جنگ کر دے اور اپنے تمام معاہدات کے انقطاع کا اعلان کر دے۔

جناب مودودی صاحب کے اس فتویٰ کو مقبوضہ کشمیر کے ریڈیو نے بار بار نشر کیا اور ہندوستانی اخبارات نے آپ کو "مردِ مجاہد" "مردِ خدا" اور "شمعِ ہدایت" کے خطاب دیئے۔ اس بناء پر پاکستانی عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور رائے عامہ جماعت اسلامی کے خلاف ہو گئی۔ اس کے خلاف قراردادیں پاس ہوئیں اور جماعت اسلامی پر ملک کے ہر طبقۂ خیال نے طعن و تشنیع کی اور حکومت نے اس شرانگیز فتویٰ کی بناء پر مودودی صاحب کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر جماعت کے لیڈر بہت گھبرائے اور ایسے موقعہ کا انتظار کرنے لگے جو ان کے فتویٰ کے واپس لینے کے لئے سازگار ہو۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان کی طرف سے اقوامِ متحدہ کے کشمیر کمشن کے سامنے ایک بیان دیا گیا کہ پاکستانی افواج کشمیر کی حدود میں موجود ہیں۔ پس یہ سننا تھا کہ جماعت نے ایک ریزولیوشن پاس کر کے جہادِ کشمیر کے عین شرعی ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ یہ ریزولیوشن اخبار قاصد ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ ریزولیوشن کے الفاظ یہ تھے۔

"امیر جماعت نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلق تھا جبکہ سرکاری طور پر اس امر کا اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی فوجیں حدودِ

کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۷ ستمبر کو مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمشن سے حکومت پاکستان کی جو مراسلت شائع ہوئی اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۸ ستمبر کو جو بیان دیا ہے اس میں اس امر کا اقرار و اظہار موجود ہے۔ حکومت ہند بھی اس امر پر مطلع ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب چونکہ معاملہ کی نوعیت بدل گئی ہے .... اب معاہدہ تعلقات کے باوجود اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔"

جناب مودودی صاحب کے پہلے فتویٰ کی روشنی میں اس ریزولیوشن کو دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ پہلے آپ کا سارا زور قلم اس بات پر صرف ہوتا رہا کہ جب تک ہند و پاکستان میں معاہدانہ تعلقات قائم ہیں اس وقت تک جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا ناجائز ہے۔ مگر اب جبکہ معاہدانہ تعلقات اسی طرح قائم ہیں، سفارتی تعلقات نہیں ٹوٹے اور پاکستان نے اعلان جنگ نہیں کیا۔ پھر وزیر خارجہ کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ پاکستانی افواج حدود کشمیر میں موجود ہیں جماعت اسلامی کا یہ استدلال کہ اب جنگ جائز ہو گئی ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ بعد کی یہ تمام کارروائی محض رائے عامہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کی گئی تھی؟

پنجاب کے انتخابات

جناب مودودی صاحب سیفٹی ایکٹ کے تحت ۱۹۴۸ء میں گرفتار ہوئے تھے اور بیس ماہ بعد ۲۸ مئی ۱۹۵۰ء کو اپنے رفقاء سمیت رہا ہوئے اس وقت ملکی انتخابات سر پر تھے، چنانچہ آپ نے رہا ہونے کے بعد ۱۳ جون کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ۵۱ء میں آنے والے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا اور جماعت کی تمام مشینری انتخابی مہم سر کرنے کیلئے مصروف ہو گئی اور یہ کہا گیا کہ:۔

"پنجاب کے انتخابات میں ہم پوری قوت سے شریک ہوں گے اور اس بات کی کوشش کریں گے کہ زیادہ سے زیادہ صالح لوگ منتخب ہوں۔"

(ترجمان القرآن جولائی ۱۹۵۰ء)

اس موقعہ پر جماعت کی طرف سے "جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد" پمفلٹ کثیر تعداد میں شائع کیا گیا جس میں اس انتخاب میں حصہ لینے کے لئے عجیب و غریب اور بلند بانگ دعاوی کیے گئے۔ چنانچہ لکھا:۔

"ہم انتخاب کے غلط طریقوں کی اصلاح کریں گے، صحیح اسلامی طریق کا مظاہرہ کیا جائے گا اور اس مظاہرہ کا طریق یہ ہوگا

اوّل :۔ ہم لوگوں کو بتائیں گے کہ خود امیدوار[1] ہونا یا
پارٹی ٹکٹ پر کھڑا ہونا اسلام کے سراسر خلاف ہے

---

[1] الیکشن میں بطور امیدوار کھڑا ہونے کے متعلق لکھا گیا کہ :۔
"اب ہم کو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ ہماری اجتماعی زندگی
اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندہ کیا ہے
ان میں ایک امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے، اس
بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپاک طریق انتخاب
کی جڑ کاٹ دی جائے، جماعت اسلامی نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے
کریگی نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی
اجازت دیگی، نہ کسی ایسے شخص کی تائید کریگی جو خود امیدوار ہو اور اپنے
لئے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے، خواہ انفرادی طور پر یا
کسی پارٹی ٹکٹ پر، یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد
میں خاص طور پر یہ بات عوام کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوار
بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور
نااہل ہونے کی کھلی ہوئی علامت ہے، ایسا آدمی جب
کبھی اور جہاں کہیں سامنے آجائے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا (اگلے صفحہ پر)

دوم :۔ ہم صالح نمائندے منتخب کرنے کے لئے ہر جگہ
پنچائتیں منعقد کریں گے جو خدا کو حاضر ناظر جان کر
فیصلہ کریں گے کہ ان میں صالح کون ہے ؟

سوم :۔ صالح کی یہ شرائط ہوں گی کہ ذاتی اور اجتماعی حیثیت
سے سچا مسلمان ہو، اسلام کے جدید مسائل سے
بخوبی آگاہ ہو اور اسے عہدے کی غرض نہ ہو۔

چہارم :۔ منتخب شدہ صالح نمائندوں سے دیانتدارانہ
طریق عمل اختیار کرنے کا حلف لیا جائے گا اور
انہیں اجازت نہ ہوگی کہ از خود پروپیگنڈہ کریں"

مودودی صاحب کے الیکشن بورڈ نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی جماعت سے سمجھوتہ یا سودا نہ کرے گا سوائے ان جماعتوں کے جو اس صالح طریق کار کے آگے ہتھیار ڈال دیں ——— ان امور کا پروپیگنڈہ وسیع پیمانے پر کیا گیا۔ جماعت کے سارے رسالے اخبارات انہی مضامین سے بھرے

بقیہ حاشیہ ص۷۶ :۔ چاہیئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے، جس کو ووٹ
دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔" (ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۵۰ء)

جن امور کو جماعت اسلامی پہلے غیر اسلامی کہتی تھی اب خود انہی پر عمل پیرا ہے

ہوتے ، غرضیکہ جماعت کی پوری مشینری انتخابات کے لئے حرکت میں آگئی تھی اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ملک کی گذشتہ انتخابی فریب کاریوں کا طوفان مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں اپنا رخ بدل لے گا اور جس گھڑی الیکشن کی کشتی کنارے پر لگے گی تو صالحیت اور صالح قیادت پوری شان سے جلوہ گر ہو جائیں گی ۔

اس سلسلہ میں پہلا اقدام اسلامی پنچایت کا قیام تھا یعنی پنچایت کے ذریعہ صالح نمائندوں کا انتخاب عمل میں لایا جائے لیکن عجیب امر یہ ہے کہ ان تمام نمائندوں میں مودودی صاحب کے علاوہ جماعت اسلامی کے تمام سربرآوردہ حضرات شامل تھے لیکن جناب مودودی صاحب اس پنچایتی نظام کے ذریعہ کیوں منتخب نہ ہو سکے ۔ یہ ایک ناقابل حل معمہ ہے ؟ ؟ اگر پنچایتوں نے آپ کا نام ہی پیش نہیں کیا تو مولانا کی صالحیت ؟ اگر پیش ہوا اور رد کر دیا گیا تو آپ نے صالح قیادت کو بروئے کار لانے کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو کیوں ٹھکرا دیا ؟

جماعت اسلامی کی عبرتناک شکست

جماعت اسلامی کے پروپیگنڈہ اور اس کے صالح نمائندوں کی زبردست کوششوں کو دیکھتے ہوئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی ایک صالح نمائندہ بھی ہار جائے گا ۔ جماعت اسلامی کی تاریخ کا یہ باب کس قدر عبرتناک ہے کہ انتخاب کا سیاسی ڈرامہ جماعت اسلامی کے چہرے

پر کالک مل گیا ۔ چار سال کی مسلسل کوششیں رائیگاں گئیں اور جماعتِ اسلامی کی پنچایتوں کا ہر نمائندہ بری طرح ناکام ہوا ، لاکھوں روپے ضائع ہوئے ۔ قیمتی اوقات جو اصلاحِ سوسائٹی کے لئے اگر صرف ہوتے تو کچھ فائدہ ہوتا ، وہ بھی رائیگاں گئے اور سب سے بڑھ کر وہ قوم جس کی تربیت کا بہانہ کر کے اس قدر طوفان بپا کیا گیا تھا اس نے جماعت اسلامی کے اکابرین کو یہ یقین دلا دیا کہ وہ اس سے قبل قوم کی اخلاقی اور سیاسی حالت کا غلط اندازہ لگاتے رہے ہیں اور انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ :-

”الیکشن نے ہماری قومی اخلاقی اور سیاسی حالت کو بھی بے نقاب کر دیا ہے اور پوری قوم کو برہنہ کر کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے کہ اس قوم میں یہ یہ گندگیاں یہ یہ کمزوریاں یہ یہ بلائیں اور یہ یہ بیماریاں موجود ہیں ۔“

(کوثر ۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء)

اکابرین جماعت کا تو یہ کہنا تھا کہ الیکشن نے قوم کو برہنہ کر کے رکھ دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ الیکشن نے مودودی صاحب کو برہنہ اور جماعت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا تھا اور ان تمام سرگرمیوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ جناب مودودی صاحب علم و عقل کے طریقوں کو پس پشت ڈال کر صالح قیادت کے نام سے سیاست و اقتدار کی منزلیں طے کرنے میں مصروف ہیں ۔

ان حقائق کی موجودگی میں جماعت اسلامی کے قافلہ کی خوش فہمی ملا
ہو کہ وہ جناب مودودی صاحب کو اپنا امیر بنائے یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم ا
راہ پر چل رہے ہیں، جس پر چلانے کے لئے انبیاء اور خصوصاً حضرت رسول اکر
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جس کے گم شدہ نقوش مجدد الف ثانی
شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی جیسے بزرگوں نے ہندوستان میں قائم فرما
تھے۔

کیا ان میں سے کسی بزرگ نے اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ی
طریق اختیار کئے ؟ اسلامی حکومت کا قیام اگر حکومت پر قابض
ہونے سے ہی ہو سکتا تھا تو پھر ان بزرگوں کو بھی حصولِ اقتدار کے لئے کوئی
حیلہ جوئی اختیار کرنا چاہیئے تھی۔ لیکن وہ تو اسلامی حکومت کا قیام دلوں
پر کرتے رہے اور جناب مودودی صاحب اقتدار کی گدی پر براجمان ہو
اپنے مزعومہ اسلامی نظام کا قیام چاہتے ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

تحریک ختم نبوّت اور جماعت اسلامی

۱۹۵۳ء کا سال پاکستان کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سال کے شروع میں احرار نے تحریک "ختم نبوت" چلائی اور جماعت احمدیہ کے خلاف زبردست مہم چلائی اور اپنے مطالبات صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے سامنے رکھے۔ اس تحریک کی کامیابی کو دیکھ کر جناب مودودی صاحب کو بھی خیال پیدا ہوا کہ کہیں اس کا تمام کریڈٹ (CREDIT) احرار کو نہ چلا جائے اس لئے وہ بھی اپنی جماعت سمیت اس میدان میں کود پڑے اور "قادیانی مسئلہ" نامی کتابچہ تحریر کیا اور اسکی کثرت سے اشاعت کی۔ اسی طرح اپنے آٹھ مطالبات میں بھی جماعت احمدیہ کو اقلیت قرار دینے کا نویں مطالبے کا اضافہ کر دیا۔ اس تحریک نے اس قدر شدت اختیار کی کہ ملکی انتظام کی تمام قیود و بند توڑ دی گئیں اور چھ مارچ کو حالات نے ایسی سنگین صورت اختیار کی جس کا نقشہ تحقیقاتی عدالت کے ججوں نے یوں کھینچا ہے :-

"سول کے حکام جو عام حالات میں قانون و انتظام کے ذمہ وار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے اور ان میں ۶ر مارچ کو پیدا ہونے والی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش یا اہلیت باقی نہ رہی تھی۔ نظم حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی۔

اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کرکے یا ارتکابِ جرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ داری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔ انسانوں کے بڑے بڑے مجموں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں۔ اور حکومت وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔

اس کے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بدنظمی اور ابتری سے فائدہ اٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں کو قتل کر رہے تھے۔ ان کی املاک کو لوٹ رہے تھے اور قیمتی جائداد کو نذرِ آتش کر رہے تھے۔ محض اس لئے کہ یہ ایک دلچسپ تماشہ تھا، یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرت کو زندہ رکھتی ہے پرزہ پرزہ ہو چکی تھی اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں۔"

(تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص۱۹۳)

یہ تحریک جو اگرچہ ختم نبوت کے مقدس نام پر اٹھائی گئی تھی مگر اس عرصہ

ں جو اخلاق سوز حرکات اور آتش زنی اور قتل و غارت کے واقعات رونما
ر نے اس پر ہر ایک درد مند دل مضطرب ہو کر رہ گیا۔ خود جناب مودودی
احب نے اعتراف کیا کہ جب راست اقدام شروع کیا گیا تو آغاز ہی میں
ر مقامات پر اس کے اندر ایسے طریقے اختیار کئے گئے جو اسلامی اخلاق کے خلاف
ور ختم نبوت جیسے مقدس عنوان کے وقار کو مجروح کرنے والے تھے اور اس پر مزید
کہ اس میں بدنظمی کا رنگ بھی نمایاں تھا۔ چنانچہ جناب نعیم صدیقی صاحب نے لکھا:

"تحریک اسلام کے بنیادی عقیدے کے تحفظ کے لئے اٹھائی گئی تھی مگر اس کے دوران میں آتش زدگی اور لوٹ مار کا وہ ہنگامہ ابل پڑا کہ جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے ...... ان واقعات نے تحریک کو بدنام کیا۔ دین کو بدنام کیا۔ ان واقعات نے پاکستان کے دینی عناصر کی قوت گھٹائی اور ملحد عناصر کے ہاتھ مضبوط کئے۔"

(چراغ راہ، مارچ ۱۹۵۴ء، ص۱۹)

بانیانِ تحریک اور ان کے متبعین نے اسلام کے نام پر جو مظاہرہ کیا اس کے متعلق اس وقت کے گورنر صاحب موصوف نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"نہایت قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام اور

ناموسِ رسولؐ کے نام پر کیا گیا اور اس مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا گیا جس نے دنیا کو امن و محبت کا پیغام دیا اور یہ سب کچھ اس لازوال مذہب کے نام پر کیا گیا جس کا وہ امتیاز رواداری اور اخوت کا سبق دیتا ہے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ، ۲۲ مارچ ۱۹۵۳ء)

اس تحریک نے اپنا جنم پنجاب میں لیا اسکی وجوہات میں یہ امر ہے کہ اس تحریک کے پیچھے بعض مخفی ہاتھ کام کر رہے تھے۔ چنانچہ حال جناب الطاف حسین قریشی نے اپنے ایک مضمون میں جناب ممتاز دولتانہ "معاہدوں اور خوابوں کا بادشاہ" قرار دیا ہے اور اس ضمن میں تحریک کا پس منظر یوں بیان کیا ہے:۔

"انہوں نے (ممتاز دولتانہ) اپنی سابقہ روایات کے عین مطابق خواجہ ناظم الدین صاحب کے خلاف سازش تیار کی۔ آپ ممدوح کے خلاف سازش میں وہ کامیاب ہو چکے تھے اس لئے انہیں کامل یقین تھا کہ خواجہ صاحب ان کے خفیہ حملوں کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے۔ دولتانہ صاحب کے منصوبے کے مطابق دیکھتے ہی دیکھتے احمدیوں کے خلاف تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ تحریک اپنی شدت اور قوت میں

بالخصوص بھی اور پورے پنجاب میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ مرکزی حکومت سخت پریشان ہو گئی۔ خواجہ ناظم الدین پنجاب بھر میں مطعون کئے جا رہے تھے۔ ان کے جنازے نکالے گئے اور اس طرح پنجاب کے عوام کا مرکزی حکومت، زیادہ صحیح یہ کہ وزیراعظم سے تصادم کرا دیا۔ دولتانہ صاحب جانتے تھے کہ خواجہ صاحب اپنی طبعی نرم دلی کی وجہ سے تحریک کے خلاف سخت اقدامات نہ کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ تحریک میں مذہب کا رنگ غالب تھا اس لئے مرکزی حکومت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پنجاب کے آگے جھک جائے۔ پنجاب کے آگے جھک جانے کا مطلب دولتانہ کے آگے جھک جانا تھا۔ کشمکش جاری رہی اور عین اس وقت جب دولتانہ صاحب اپنی کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے مرکزی حکومت حرکت میں آئی اور لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔"

(ماہنامہ زندگی، لاہور)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے عوامل مذہبی نہ تھے بلکہ بعض سیاسی افراد نے احرار اور جماعت اسلامی کو اپنا آلہ کار بنایا تھا۔ لیکن جب حکومت کی طرف سے مقرر کردہ انکوائری کورٹ نے ان فسادات کی ذمہ داری کی تحقیقات

کا آغاز کیا تو جماعت اسلامی نے اس سے بچنے کے لئے ہر ممکن کوشش
فاضل ججوں نے پوری تحقیقات سے یہ ثابت کیا کہ اگرچہ فسادات کے
راست ذمہ دار احرار تھے مگر جماعت اسلامی ان کے ساتھ پوری طرح
تھی۔ چنانچہ عدالت نے ان فسادات میں ان کے کردار کی تفصیل یوں بیان
کی ہے:۔

"جب جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی ان سر توڑ کوششوں میں جو وہ ۵ مارچ کو فسادات کے روکنے کے لئے کر رہی تھی کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا تو ہمارے نزدیک جماعت کی ذمہ داری میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا بلکہ ان کے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویہ اختیار کیا تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو "تشدد کا شکار" کہہ کر ان سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظام حکومت کے انہدام کی توقع کر رہے تھے ___ اور حکومت کی متوقع پریشانی اور حوالگی

پر بغلیں بجا رہے تھے۔ اور اگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اللہ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی ادارات کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ یہی ہے تو اس امر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ ہو رہا تھا اسے جماعت اسلامی کی پوری تائید وحمایت حاصل تھی۔ لہٰذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اس پروگرام سے جو مجلس عمل نے کراچی میں ۲۶ فروری کو طے کیا تھا کہ گورنر جنرل اور وزیراعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضاکاروں کے دستے بھیجے جائیں اور مولانا ابوالحسنات کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے جو طبعی نتائج پیدا ہوئے ان کی ذمہ داری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے۔"

(عدالتی رپورٹ صـ۲۷۱)

جماعت اسلامی نے ۱۹۵۳ء کے فسادات میں جو کردار ادا کیا وہ بڑا نمایاں تھا مگر جب فسادات کی ذمہ داری قبول کرنے کا مرحلہ آیا تو اس نے اپنے بچاؤ کے لئے اس سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ اس وجہ سے احرار اور جماعت اسلامی کا وقتی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور ایک دوسرے کے خلاف

الزام تراشی کا ایسا بازار گرم ہوا کہ الحفیظ و الامان ۔ عدالتی رپورٹ نے اپنی تحقیقات میں واضح طور پر تحریر کیا تھا کہ جماعت اسلامی مکمل طور پر اس تحریک میں شامل تھی ۔ اسی طرح احرار نے اور مسٹر دولتانہ کے وکیل یعقوب علیخاں نے دلائل سے ثابت کیا کہ جماعت اسلامی مکمل طور پر تحریک میں شامل تھی ۔ انہوں نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا :-

"ان کا (جماعت اسلامی) معاملہ سب سے زیادہ غیر منطقی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی اس تحریک کے ذریعہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی ۔ جماعت کا مقصد اقتدار پر قبضہ کرنا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ عوام مرکزی اور صوبائی دونوں حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں ۔

. . . . اس کے ساتھ ہی جماعت اب یہ بھی نہیں چاہتی کہ اسے فسادات سے وابستہ کیا جائے اور نہ اس نے تحریک سے کنارہ کشی کرنا چاہی تھی ۔ ۵ مارچ ۵۳ء کو گورنمنٹ ہاؤس کے جلسے میں بھی جب لوگ اپنے جان و مال سے محروم ہو رہے تھے مولینا مودودی امن کی اپیل پر دستخط کرنے کے لئے راضی نہیں تھے ۔"

احرار کے لیڈر جناب عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریروں میں بار بار

جماعت اسلامی کے منافقانہ رویہ کی قلعی کھولی اور مودودی صاحب سے حلفیہ بیان کا مطالبہ کیا ۔

"وہ (مودودی صاحب) ختم نبوت کی تحریک میں شامل تھے ، اگر وہ اصرار کرتے ہیں کہ وہ تحریک ختم نبوت میں شامل نہیں تھے تو میں ان سے حلفیہ بیان کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہدیں کہ ان کا تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔"

(جنگ ۲۳ جون ۵۵ء)

غرض حالات اور واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ اس دور میں جماعت اسلامی نے ملک میں انتشار اور انارکی کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ۔ جماعت اسلامی نے اس امر کے لئے بھی سعی کی کہ اس تحریک کی باگ ڈور کسی طرح ان کے ہاتھ میں آجائے اور شاید اس رنگ میں حصولِ اقتدار کی دیرینہ خواہش پوری ہونے کے سامان مہیا ہو سکیں ، لیکن

؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو جب یہ تحریک بالکل بے لگام ہو چکی تھی ، اور "راست اقدام" کے نام پر خلافِ اسلام اور خلافِ اخلاق حرکات کی جا رہی تھیں لاہور میں مارشل لاء کا نفاذ کر دیا گیا اور فوجی حکومت نے جناب مودودی صاحب

اور جناب عبدالستار صاحب نیازی کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ اس
بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب نے ملک میں مذہب کے
نام پر قتل و غارت اور انتشار و افتراق کا ایسا بازار گرم کیا تھا کہ فوجی حکو
نے ان کی سزا اس سے کم نہ سمجھی۔ سول حکومت اگر ایسا فیصلہ کرتی
کہا جا سکتا تھا کہ اس میں تعصب کام کر رہا ہے۔ مگر مارشل لا ء حکومت کی طر
سے یہ فیصلہ صادر کیا جانا بتاتا ہے کہ حقیقتاً وہ قرار واقعی سزا کے مستحق تھے

مجلس دستور ساز اور جماعت اسلامی

پاکستان بننے کے ساتھ ہی جماعتِ اسلامی نے دستور ساز اسمبلی کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت ایسا تھا کہ جماعت اسلامی اپنے ماضی اور خلاف پاکستان سرگرمیوں کی وجہ سے عوام کے سامنے کھل کر آنے سے خائف تھی۔ اسلئے دبی زبان میں مخالفت کی مہم کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں دستور ساز اسمبلی کی بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کا پیش ہونا تھا کہ جماعت اسلامی کو کھل کر سامنے آنے کا موقع مل گیا۔ اور دستور ساز اسمبلی کے توڑے جانے کے خلاف قراردادیں منظور کروائی گئیں۔ جلسے کئے گئے۔ غرض یہ کہ ہر وہ حربہ جو ان کے نزدیک ان کی جماعت کے لئے مفید اور دوسروں کیلئے سمِ قاتل تھا استعمال کیا گیا۔ اور زور شور سے دستور ساز اسمبلی کی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے ایک بیان دیا جو جماعت اسلامی کی شائع کردہ کتاب "دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ" کے صفحہ ۱۵ پر موجود ہے۔ یہ بیان جناب مودودی صاحب نے ۱۱ر نومبر ۱۹۵۰ء کو دیا۔ فرماتے ہیں :-

"پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹیوں نے جو رائے پیش کی ہے۔ ان میں نہ تو ہمارے لئے کوئی حیرت انگیز چیز ہے نہ خلافِ توقع۔ ہم پہلے ہی اس اسمبلی کی ہیئتِ ترکیبی کو اس کے ارکان کی سیرتوں کو، اس کی پچھلی کارروائیوں کو اور قرار دادِ مقاصد سے پہلے اور اس کے بعد اس کے طرزِ عمل کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر چکے تھے کہ یہ اسمبلی نہ ایک اسلامی دستور بنانے کے اہل ہے اور نہ ایک جمہوری دستور۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو اسلام اور ملک کے اجتماعی مفاد کے ساتھ اس اسمبلی کی وفاداری تک مشتبہ تھی۔ ہم اسکو ایک مخصوص برسر اقتدار طبقہ کی اغراض کا آلہ کار سمجھتے تھے۔ اور اس بنا پر ہم نے بہت پہلے قوم کو متنبہ کر دیا تھا کہ اگر وہ ایک صحیح اسلامی دستور چاہتی ہے تو اسے بالاتفاق ایک نئی دستور ساز اسمبلی کے قیام کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔"

زور بیاں اسی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دستور ساز اسمبلی کو غداری اور مخصوص برسر اقتدار طبقہ کی آلہ کاری کا سرٹیفکیٹ بخشنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"ان کو دیکھ کر یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو گئی ہے کہ یہ لوگ تین سال تک فی الواقعہ ایک اسلامی دستور ساز بنانے کی کوشش نہیں بلکہ اسلام اور ملک کے خلاف ایک سازش کرتے رہے ہیں۔"

آگے فرماتے ہیں:-

"ان میں صرف یہی نہیں کہ اسلامی آئین کا کوئی امتیازی نشان نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے بنیادوں کی صریح طور پر خلاف ورزی کی گئی ہے۔"

ان حوالہ جات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے قائدین کے نزدیک دستور ساز اسمبلی کی حیثیت نہ صرف یہ کہ غیر اسلامی ہے بلکہ قوم کے خلاف ایک سازشی ٹولہ اور غدار کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس پر بس نہیں بلکہ جناب مودودی صاحب نے بار بار عوام کو اس ادارہ کے خلاف اکسا کر ان کو جلسے منعقد کرنے جلوس نکالنے اور قرار دادیں منظور کروانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"اس سلسلہ میں ابتدائی قدم کے طور پر میں تمام باشندگان
قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ،
اور شہر شہر میں جلسے کرا کر اس بات کا صاف اعلان
کریں کہ ان دستوری سفارشات کو دیکھنے کے بعد انہیں
موجودہ دستور ساز اسمبلی پر اعتماد نہیں رہا ہے۔ لہٰذا
اب وہ اس کے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتے کہ یہ دستور ساز
اسمبلی مستعفی ہو۔ اور ایک دوسری اسمبلی قوم کی
حقیقی خواہشات کے مطابق دستور بنائے۔"

(ایضاً صـ ۵۴)

پھر اس کے آگے صفحہ ۴، پر جناب مودودی صاحب فرماتے ہیں:-

"اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ مرہون کی بجائے مملوک
بننے پر راضی ہیں یا کہ نہیں۔ اگر آپ نے ساری قربانیاں اس
لئے نہیں کی تھیں کہ یہاں ایک غیر اسلامی حکومت قائم ہو
اور آپ گورے آقاؤں کے بعد کالے آقاؤں کے غلام بن
کر رہیں، تو یہ وقت ہے کہ آپ بیدار ہوں اور متحدہ
جد و جہد سے اس دستور ساز اسمبلی کو توڑنے
اور نئی اسمبلی منتخب کرانے کی کوشش کریں۔

اس غرض کے لئے تمام باشندگان پاکستان کو شہر شہر
محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں جلسے کرنے چاہئیں۔"

اس کے بعد مولانا مودودی اور ان کے رفقائے کار نے
شہر شہر محلہ محلہ اور قصبہ قصبہ دستور ساز اسمبلی کے خلاف تقریری
مہم کا آغاز کیا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب نے خود ۱۴ اکتوبر
۱۹۵۰ء کو باغ بیرون موچی دروازہ تقریر کی اور فرمایا:-

"ان دستوری سفارشات کو دیکھنے کے بعد ہمیں موجودہ
دستور ساز اسمبلی پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا ہے۔ ہم
ایک خالص اسلامی جمہوری دستور چاہتے ہیں۔ اور
اس کے لئے حق رائے دہندگی بالغان کے اصول پر
براہ راست ایک نئی دستور ساز اسمبلی منتخب کرانا چاہتے
ہیں۔"

مندرجہ بالا حوالہ جات سے جماعت اسلامی اور اس کے قائدین
کی دستور ساز اسمبلی کے خلاف غیظ و غضب کی ایک واضح تصویر سامنے
آتی ہے کہ مودودی صاحب نے اس بات پر زور صرف کیا ہے کہ نئی دستور
ساز اسمبلی برپا کی جائے۔ اور موجودہ اسمبلی کو برخواست کر دیا جائے
لیکن برا ہو سیاست کا کہ جس نے جماعت اسلامی کو کبھی بھی اپنی بات

پر قائم نہ رہنے دیا۔ ۱۹۵۴ء دستور ساز اسمبلی نے ایک نئی کروٹ
اور اس کی زمامِ اقتدار مسٹر فضل الرحمٰن اور نور الدین گروپ کے ہاتھ
میں آئی۔ یہ چونکہ بنگال سے تعلق رکھتے تھے لہذا ظاہر ہے کہ ان کو مغ
پاکستان میں بھی حلیفوں کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے انہوں نے
جماعت اسلامی کو گانٹھا اور پسِ پردہ سازشیں ہوئیں۔ اب یکایک
جماعتِ اسلامی دستور ساز اسمبلی کی حمایت میں اسٹیج پر ظاہر
ہوئی۔ کل تک جماعت اسلامی کی پوری قوت اس بات پر
صرف ہو رہی تھی کہ دستور ساز اسمبلی کو توڑ دو۔ یہ غداروں کا
ٹولہ ہے ان کے ارکان غیر اسلامی سرپرستوں کے مالک اور
اب یکایک جماعت اسلامی کو نہ جانے کہاں سے معلوم ہو گیا کہ
وہ درحقیقت غلطی پر تھے۔ چنانچہ نوائے پاکستان ۲ر اکتوبر ۵۴ء
کے اداریہ میں لکھتا ہے :۔

"ظاہر ہے کہ مجوزہ دستور پر دستور یہ کے ارکان میں پھوٹ
پڑ گئی ہے۔ تو موجودہ دستور ساز اسمبلی اپنا خاتمہ کرے گی
اور اس کی ضرورت پیش آجائے گی کہ رائے عامہ کی طرف
رجوع کیا جائے۔ اور عام انتخابات کر کے نئی دستور ساز
اسمبلی برپا کی جائے۔ اگر یہ صورت حال پیش آگئی

تو اس کی تمام تر ذمہ داری دستوریہ کی اس سازشی ٹولی
کی گردن پر عائد ہو گی جس کی قیادت خواجہ ناظم الدین
مسٹر فضل الرحمٰن، پیرزادہ عبدالستار، مسٹر ہاشم
گزدر اور خان قیوم خان فرما رہے ہیں۔ اور جن کی
کمک کیلئے جماعت اسلامی کے علاوہ جمعیت
العلمائے اسلام کے دینی حلقے بھی نکل رہے ہیں"۔
چنانچہ دستور ساز اسمبلی کے حق میں جگہ جگہ جماعت اسلامی نے جلسے
کروائے، جلوس نکالے، اور قرار دادیں پاس کروائیں۔ چنانچہ روزنامہ
"تسنیم" ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء میں قیم جماعت اسلامی میاں محمد طفیل صاحب
کی اپیل پر جو مطالبہ کیا گیا، وہ یوں ہے کہ :۔
"ان قرار دادوں میں مجلس دستور ساز کو توڑنے کے مطالبے
کی مذمت کی گئی اور اسے ملک میں نقصان دہ قرار دیا"۔
اسی طرح ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کے "تسنیم" میں "مسئلہ دستور پر جماعت
اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کا بیان" کے عنوان کے ماتحت
جو بیان چھپا ہے وہ یوں ہے :۔
"کشمکش کے اس نازک فضاء میں اسلام دشمن
عناصر کو ایک بار پھر اس بات کا زریں موقعہ

ہاتھ آیا ہے کہ وہ "دستور یہ توڑ دو" کے مردہ نعرہ
میں نئی روح پھونکیں۔ چنانچہ بعض سیاسی مفاد
پرستوں کے سُر میں ملک کے تمام ملحد اور کمیونسٹ
عناصر نے اپنا سُر ملا دیا ہے۔"

مودودیوں کی اس سیاسی قلابازی سے پنجاب کے پریس میں ہل[چل]
پیدا ہوئی اور انہوں نے اس کے خلاف اداریئے لکھے۔ چنانچہ روزنا[مہ]
ملت ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں "اسلام کے نام پر" کے عنوان [سے]
جماعت اسلامی کے متعلق رقمطراز ہے۔

"جس مسودہ آئین کے بارے میں جماعت اسلامی ایک سال
پیشتر غیر اسلامی اور شیطانی کا فتویٰ صادر کر چکی ہے وہ
آج یکایک اسلامی کس طرح ہو گیا۔ اصل میں مفاد پرستی
اور اقتدار طلبی کی جنگ میں اس طائفہ کے نزدیک غالباً
سب کچھ جائز ہے۔"

یہی سوال ملک کے دیگر اخبارات نے بھی اٹھایا۔ لیکن جماعت
اسلامی آج تک اس کی وضاحت نہیں کر سکی۔

امریکہ کو مخلصانہ مشورہ

جماعت اسلامی کو پاکستان میں کام کرتے ہوئے آٹھ سال سے
زائد عرصہ ہو چکا تھا مگر اقتدار حاصل کرنے کے سارے منصوبے غلط
ثابت ہوئے تھے۔ ملکی انتخابات میں شکست فاش اور تحریک ختم نبوت میں
عبرتناک انجام نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ ان حالات میں جناب
مودودی صاحب کی جدت پسند طبیعت نے اقتدار حاصل کرنے کا ایک
اور منصوبہ سوچا اور وہ یہ کہ امریکی حکومت کے ذریعہ اپنے "صالح عزائم"
کو پورا کرنے کے سامان مہیا کئے جائیں۔ چنانچہ ۱۹۵۵ء کے آخر میں
آپ نے لاہور اور کراچی میں جو تقاریر کیں ان میں واضح طور پر دنیا
کی عظیم مملکت امریکہ کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ وہ بجائے اسلام کی مخالف
طاقتوں کے ساتھ تعاون کرنے کے مسلم عوام کے ساتھ براہ راست معاملہ
کرے۔ گویا جناب مودودی صاحب یہ چاہتے تھے کہ امریکہ پاکستان
میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جماعت اسلامی کے کارفرما حضرات
سے گٹھ جوڑ کرے کیونکہ وہی اسلام پسند عناصر کے حقیقی نمائندہ ہیں۔

چنانچہ امریکی بلاک کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ بلاک فی الواقعہ یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام

کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے یہ فیصلہ کرنا
کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام
کا تعاون حاصل کرنا ہے۔"

(تسنیم ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

جناب مودودی صاحب یہ جانتے تھے کہ امریکہ کمیونزم سے خائف
ہے اس لئے اس کی روک تھام کے لئے کام کر کے وہ امریکہ کی خدمت کر
سکتے ہیں اور اس کے صلہ میں ان کا گوہر مقصود حاصل ہو سکتا ہے
چنانچہ آپ نے اس امر کو متعدد بار پیش کیا اور امریکہ کو اپنی سابقہ پالیسی
بدل کر اس نئی پالیسی پہ عمل پیرا ہونے کیلئے تلقین کی۔ فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ خود اینگلو امریکی
بلاک کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ صرف مسلمان حکمرانوں
سے معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اسکو مسلمان قوم کے ساتھ
کوئی معاملہ نہیں کرنا ہے تو الگ بات۔ لیکن اگر اس کی
خواہش یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام بھی اس کے
ساتھ تعاون کریں۔ تو اس معاملہ میں ہمیں وضاحت
کے ساتھ یہ بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ
آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آ رہی ہے وہ ایسی ہرگز
نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے مسلمان ملکوں کے

عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو سکے۔ اس
کے متعدد وجوہ ہیں۔ میری غرض ان لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ
اگر مسلمان عوام کے دلی تعاون کے خواہشمند ہیں تو اس پالیسی
کو بدلنا ہو گا جو اب تک آپ نے اختیار کر رکھی ہے۔"

(روزنامہ تسنیم لاہور مورخہ ۲۰ ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

جناب مودودی صاحب کا یہ مشورہ بڑا واضح تھا کہ امریکی حکومت کو
ان کے ساتھ ساز باز کرنا چاہیئے۔ اس پہ ملک میں مختلف باشعور طبقات کی طرف
سے شدید ردعمل ہوا، اور "نوائے پاکستان" کے مدیر نے اپنے اداریہ میں واضح
طور پر لکھا کہ مودودی صاحب گویا امریکہ اور برطانیہ کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

"اے امریکہ اور برطانیہ والو! ہم احیائے اسلام کے بہانے سے
اسلامی ملکوں کے مغرب زدہ اور غیر نمائندہ حکمرانوں کے
اقتدار کا تختہ الٹنے کے لئے حاضر ہیں۔ ہماری امداد کرو اور
ان کی بجائے ہمارے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کرو۔"

(اداریہ نوائے پاکستان ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء)

آخر میں نوائے پاکستان کے مدیر اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"ہمیں اس بات پر رائے دینے کی ضرورت نہیں کہ جو جماعتیں
یا افراد ایک ایسے ملک میں رہتے ہوئے جہاں ایک آئینی

حکومت قائم ہو بیرونی طاقتوں سے ساز باز کرنے کا داعیہ
رکھتے ہوں، ان کے لئے سیاسی لغات میں کیا لفظ مقرر ہیں"

جناب مودودی صاحب نے یہ محسوس کیا کہ امریکی حکومت مسلم حکومتوں
سے اپنے تعلقات استوار کرنے کیلئے مفید مطلب تبدیلیاں چاہتی ہے۔ اس
لئے آپ نے گویا امریکی حکومت کو کہا کہ وہ اسلامی ممالک میں اسلام پسند
جماعتوں سے اور پاکستان میں ان سے گٹھ جوڑ کرے۔ تاکہ اس کے مفاد کا
صحیح تحفظ ہو سکے۔ چنانچہ جماعت اسلامی نے اس وقت سے ہی کمیونزم
کے خلاف لٹریچر پیدا کرنا شروع کیا۔ اور امریکی حکومت نے اسے خرید کر
گویا "امریکی امداد" کا راستہ کھول دیا، اور ملک میں یہ تاثر دن بدن گہرا
ہوتا چلا گیا کہ جماعت اسلامی امریکہ سے مالی امداد حاصل کر رہی ہے۔ اگرچہ
یہ جماعت اس کی تردید کرتی ہے۔ لیکن کیا جناب مودودی صاحب کے
مندرجہ بالا ارشادات اس حقیقت کی طرف راہنمائی نہیں کرتے؟

جماعت اسلامی کے بعض زعماء کا خروج

جنوری ۱۹۵۷ء میں جبکہ جماعت اسلامی ملکی انتخابات کے لئے تیاریاں
کر رہی تھی اور سیاست اس کا اوڑھنا بچھونا ہو چکا تھا تو اس وقت جماعت کے
بعض سرکردہ اصحاب نے جناب مولانا مودودی صاحب کے تکبرانہ اور تمردانہ
رویہ سے تنگ آکر اور جماعت کے فکری اور تعمیری موقف سے ہٹ کر سیاست
کے خار زار میں پھنس جانے کی بنا پر جماعت سے استعفیٰ دیدیا۔ جن میں
جماعت کے سابق امیر اور مودودی صاحب کے دست راست جناب امین
احسن اصلاحی اور جماعتی آرگن تسنیم کے ایڈیٹر اور جماعتِ اسلامی پنجاب کے
امیر جناب ملک سعید صاحب قابل ذکر ہیں۔ ملک سعید صاحب کے بعد
جناب ارشاد احمد صاحب نے تسنیم کی ادارت کچھ ماہ کی اور وہ بھی مودودی
صاحب کے آمرانہ طریق کار سے نالاں ہو کر جماعت سے نکل گئے۔ ان سے قبل
ایڈیٹر المنبر لائل پور مکرم حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب اور عبد الغفار صاحب بھی
مدت ہوئی جماعت سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ گویا جناب مودودی صاحب جس
ابتدائی قافلہ کو لیکر روانہ ہوئے تھے اس کے ممبران ایک ایک کر کے آپ سے الگ
ہو گئے۔ چنانچہ اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:-

"جو اصحاب ۱۹۴۱ء میں میرے ہمراہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے تھے ممکن ہے ان میں سے دو ایک بطور تبرک ابھی تک جماعت اسلامی سے منسلک ہوں، باقی سب دیرینہ کارکن یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ میں نے سولہ سال کے بعد ایک گم کردہ راہ قافلہ کا ساتھ چھوڑا ہے اور اب ایک صحرا میں لکیر کے سہارے تنہا کھڑا ہوں۔ میں تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ فیصلہ کروں گا کہ آئندہ مجھے خدمتِ دین کے لئے اجتماعی یا انفرادی طور پر کیا کرنا چاہیئے۔"

جس حقیقت کا اظہار اصلاحی صاحب نے کیا ہے اس کا اعتراف میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی نے بھی کیا۔ چنانچہ جب ملک سعید صاحب نے جماعت سے علیحدگی کی وجوہات ایک پریس کانفرنس میں بیان کیں تو آپ نے کہا:۔

"جماعت کی پچھلی پندرہ سال کی تاریخ میں بہت سے اصحاب جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہوتے رہے ہیں اور خارج بھی کئے جاتے رہے ہیں، جن میں سے بعض مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے اور جماعت کے مختلف عہدوں پر بھی رہ چکے تھے، لیکن مسٹر سعید ملک صاحب سے پہلے کسی شخص نے بھی آج تک

جماعت کے خلاف یا جماعت کے عہدیداروں کے خلاف پریس کانفرنس میں پروپیگنڈہ کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا۔" (تسنیم، ۱۸ رجنوری ۱۹۵۷ء)

سعید ملک ایڈیٹر تسنیم کا استعفیٰ۔ ملک سعید صاحب نے جماعت سے علیحدگی کے اسباب اپنے ایک خط میں بیان کئے ہیں جو انہوں نے جناب مودودی صاحب کو تحریر کیا اور پریس میں تقسیم کیا لکھتے ہیں:۔

"جماعت اسلامی کے ساتھ چھ سالہ وابستگی کے دوران مجھے جو تجربات ہوئے ہیں اور مختلف ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اندر سے حالات کا مطالعہ کرنے کا جو موقع ملا ہے اس کی بنا پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کی سرکردگی میں جماعت کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جس نے نہ تو جماعت کو اس کے اصل طریق پر قائم رہنے دیا ہے اور نہ جماعت کو اس جمہوری اور شورائی طریقے پر چلایا جا رہا ہے جس کی پابندی اسلام اور اپنے دستور کی رو سے ہم پر واجب ہے۔ میرے عدم اطمینان کی تفصیلی وجوہ آپ کو معلوم ہیں تاہم میں صرف یہاں دو بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کروں گا۔

جماعتی لٹریچر میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ

اسلامی تحریک کو چلانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ مخاطب
آبادی میں اسلام کے اصولوں کا شعور اور ان پر چلنے
کا شدید داعیہ پیدا کر دیا جائے۔ تا آنکہ ایک مرحلے پر
پہنچ کر وہ آبادی فطری طور پر اسلام کو ایک نظام زندگی
کی حیثیت سے اپنا لے۔ یہ بات کھل کر کہہ دی گئی تھی
کہ یہ کام نہ صرف محض سیاسی ہنگاموں سے ہوگا اور نہ
صرف انتخابات کے ذریعے حصولِ اقتدار کی کوششوں
سے لیکن ابھی قوم میں اسلامی اصولوں کا ابتدائی تصور
بھی پیدا نہ ہوا تھا اور اس نے اسلامی اصولِ اخلاق اور
سیاست کو اختیار کرنے پر معمولی سی آمادگی پر اظہار بھی
نہ کیا تھا کہ آپ نے بنیادی کام سے قطع نظر کر کے تحریک
کو پوری طرح سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں الجھا دیا حتیٰ کہ
اسلامی نظام کی حیثیت ہمارے ہاں محض ایک نعرے کی
رہ گئی۔

جماعتی معاملات کی انجام دہی میں امیر از روئے دستور
و روایات مرکزی شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے لیکن
آپ نے ہمیشہ مرکزی شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی

کی ہے۔ اور احتجاج کے باوجود اپنی روش پر مصر رہے ہیں
جماعت کی تاریخ میں یوں تو اس کی بے شمار مثالیں ہیں لیکن
ان میں سے چند ایک نمایاں یہ ہیں۔
کشمیر کے متعلق شوریٰ کا فیصلہ تھا کہ مجاہدین کی امداد
کی جائے اور اس سلسلے میں جماعت نے عوام سے انکی اعانت
کے لئے ایک بڑی رقم جمع بھی کی لیکن آپ نے شوریٰ کے
خلاف ایسی بات کہہ ڈالی جس سے جماعت ایک عظیم ابتلا
میں مبتلا ہو گئی۔ نیز وہ رقم بھی مجاہدین تک نہ پہنچی۔ اس
طرح جماعت کی اگرچہ یہ حتمی رائے تھی کہ قادیانیوں کو اقلیت
قرار دیا جائے لیکن اس کے باوجود شوریٰ کا یہی فیصلہ تھا
کہ اس مسئلے کو دستوری مہم سے وابستہ کیا جائے۔ لیکن
آپ نے بطور خود نویں نقطے کا اضافہ کر دیا اور شوریٰ سے
مشورہ کئے بغیر ان جماعتوں سے اشتراکِ عمل شروع کر دیا
جن کے متعلق شوریٰ اور آپ کی قطعی رائے تھی کہ وہ اس
مسئلے کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے
ہیں۔ دستورِ جماعت کی خلاف ورزی اور شورائی اور
جمہوری قدروں کو کچلنے اور فسطائی رجحانات پیدا کرنے کی

ایک مثال یہ ہے کہ اگرچہ دستورِ جماعت کے مطابق اِس جماعت میں ارکان اختیارات کا منبع ہیں اور دستور کی دفعہ ۸ کی رُو سے ارکان کے کل پاکستان اجلاس میں ہر رکن کو اعتراض اور تنقید کی پوری آزادی ہے لیکن آپ نے کراچی کے نومبر ۵۵ء کے اجتماع میں تمام اعتراضات اور تجاویز کو پیش ہونے سے روک دیا۔ حالانکہ اس کا نہ آپ کو اختیار تھا نہ مرکزی شوریٰ کو۔ اس قسم کی مثالیں صرف بدترین فسطائی جماعتوں کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان کے حکمرانوں پر تنقید کرتے ہوئے آپ قومی زندگی میں آزادیٔ رائے اور تنقید و محاسبہ کا جو حق اپنے پبلک بیانات اور تحریروں کے ذریعے مانگتے رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

فسطائی ہتھکنڈوں کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ جماعت کی قیادت میں بڑھتے ہوئے اختلافات اور ارکان جماعت میں عام بے چینی کے پیشِ نظر ایک سال قبل شوریٰ نے ایک جائزہ کمیٹی تشکیل دی تھی۔ جماعتی سرکلر کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کمیٹی کی رپورٹ سامنے آنے کے بعد کل پاکستان اجتماع ارکان منعقد کیا جائے گا۔ لیکن جب یہ رپورٹ آگئی تو اجتماع

منسوخ کردیا گیا۔ اس رپورٹ کے بارے میں ارکانِ جماعت سے غیر معمولی اخفا برتا جارہا ہے۔ مرکزی شوریٰ نے پندرہ روز کی بحث کے بعد بالاتفاق اس رپورٹ کی بنیاد پر ایک قرارداد کے ذریعے جماعت کی پالیسی کو بدلتے ہوئے انتخابات کی مہم سے دستکش ہوکر انقلابِ فکر اور تعمیرِ معاشرہ کے کاموں پر اپنی توجہات کو مرکوز کردینے کا فیصلہ کیا، لیکن شوریٰ کے اجلاس کے بعد پہلے ہی ہفتہ آپ نے جائزہ کمیٹی کے چاروں ارکان کے نام (جن میں سے تین اس جماعت کے کُل پاکستان امیر بھی رہ چکے ہیں) خطوط کے ذریعے ان کے سارے کام کو ایک سازش قرار دیتے ہوئے ان سے مرکزی شوریٰ سے مستعفی ہوجانے کا مطالبہ کر ڈالا۔ حالانکہ دستور میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ کسی جمہوری جماعت میں ایسی حرکت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُن ارکانِ شوریٰ نے جو آپ کی اندھا دھند پیروی کرتے ہیں آپ کے گروہ کے دوسرے افراد کے ساتھ مل کر جماعتی آداب و روایات کو پامال کرتے ہوئے شوریٰ کی اس متفقہ قرارداد کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کردی ہے۔ اس کے

علاوہ اسی شوریٰ کے اجلاس میں ایک اونچی سطح کی کمیٹی بنا دی گئی تھی جسکو میرے اعتراضات کی تحقیقات کرنا تھی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ بھی امیر جماعت کی حیثیت سے اس کمیٹی کے فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ لیکن ابھی اِس تحقیقات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ آپ نے ایک طرف اس کمیٹی کے صدر پر جائزہ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے سازش کا الزام لگا دیا، اور دوسری طرف کسی معقول وجہ اور مجھ سے جواب طلب کئے بغیر اچانک میرے حقوقِ رکنیت کو معطل کر دیا۔ ان اقدامات پر جماعت کے اونچے حلقوں میں اس وقت حیرانی اور غم وافسوس کی جو فضا چھائی ہوئی ہے وہ آپ جانتے ہیں۔

میری یہ قطعی رائے ہے کہ اب اس جماعت میں آپ نے اصلاحِ حال کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ میں نے گذشتہ پانچ چھ سال میں ہر طریقے سے یہ کوشش کی ہے کہ آپ دستورِ جماعت کی پابندی کریں، اس کے لئے شوریٰ میں بھی بارہا تنقید و محاسبہ کیا ہے۔ جماعت میں شورائی نظام کو اس کی صحیح روح کے ساتھ چلانے اور ہنگامہ آرائیوں

سے بچتے ہوئے جماعت کے اصل تعمیری اور فکری کام کی طرف توجہ دینے۔ جماعت کے اصل مسائل سے ارکانِ جماعت میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے شوریٰ سے لے کر اجتماعِ ارکان تک میں تجاویز پیش کیں لیکن آپ نے ہمیشہ ان کوششوں کو بے اثر بنانے کی سعی کی ہے۔ اب جبکہ آپ کی تمام کوششیں ناکام ہو گئی ہیں، جائزہ کمیٹی نے آپ کی منشاء کے خلاف رپورٹ دے دی ہے، شوریٰ میں آپ کو شکست ہو گئی ہے اور ہنگامہ آرائیوں اور سرِدست انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ نیز میرے تمام اعتراضات کے لئے شوریٰ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنا دی ہے، جس کے ذریعے معاملات کے کھل کر سامنے آجانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے، آپ نے جماعت کے اندر اپنے خاص اثرات کے ذریعے ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے جس سے صحت مند طریق پر کام کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ میں چونکہ اس قسم کی فضا میں اپنی قوتیں اور وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اس لئے میں جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوں۔

میری اب بھی یہی رائے ہے کہ جماعت کے جمہور صحیح خطوط پر کام کرنا چاہتے ہیں۔ جائزہ کمیٹی کے سامنے دو صد سے زائد ارکان نے رائے دی ہے، ان میں سے ۸۵ فی صدی سے زائد نے اپنی اپنی معلومات کی حد تک جماعت کی پالیسی اور اخلاقی حالت سے عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ اصل مسائل کو اخفاء میں رکھ کر یا جذبات کو اپیل کر کے اور "اسلام خطرے میں ہے" کا الارم بجا کر اب بھی آپ جماعت کے سادہ دل ارکان کو علاقائی اجتماعات میں خاموش کرا دیں لیکن مَیں چیلنج کرتا ہوں کہ آپ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کو ارکان اور پبلک کے سامنے لائیں، ارکان کا کُل پاکستان اجتماع بلا کر تمام مسائل ان کے سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ ارکان کے احساسات کیا ہیں"۔

(تسنیم ۶ جنوری ۱۹۵۷ء)

جناب حمید نظامی صاحب اور جناب مودودی صاحب

جناب حمید نظامی صاحب مدیر شہیر "نوائے وقت" لاہور ایک بلند پایہ صحافی اور بے باک نقاد تھے۔ آپ نے ہمیشہ ملکی اور قومی مفاد کو عزیز رکھا اور مال و متاع کی کھنک جھنک آپ کو اپنی

طرف مائل نہ کر سکی۔ آپ نے ہمیشہ قوم کی صحیح راہنمائی کی کوشش کی، اور ملک وملت کے بدخواہوں کے خلاف ہر ممکن جہاد کیا۔ چنانچہ صحافت کے میدان میں آپ کی ان خوبیوں کا اعتراف آپ کے شدید معاندین کو بھی ہے۔ جناب حمید نظامی صاحب نے جناب مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق بھی اپنے تاثرات نوائے وقت میں مختلف اوقات میں پیش کئے اور خاص طور پر سنہ ۱۹۵۵ء میں آپ نے کئی اداریے اس کے متعلق تحریر کئے جن میں اس جماعت اور اس کے مؤسس کا صحیح محاسبہ پیش کیا اور ان کے مذہبی اعمال کو آشکار کر ان کے صحیح نقوش اجاگر کئے۔ ان میں سے چند حقیقت افروز اداریے درج ذیل ہیں:۔

جناب مودودی صاحب نے سنہ ۱۹۵۳ء کے فسادات پنجاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بیان دیا تھا کہ "اس کارروائی سے دو باتیں میرے سامنے بالکل عیاں ہو گئیں ایک یہ کہ احرار کے سامنے اصل سوال تحفظ ختم نبوت کا نہیں ہے بلکہ نام اور سہرے کا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے جان و مال کو اپنی اغراض کے لئے جوئے کے داؤ پر لگا دینا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رات کو بالاتفاق ایک قرارداد طے کرنے کے بعد چند آدمیوں نے الگ بیٹھ کر سازباز کی ہے اور ایک دوسرا ریزولیوشن بطور خود لکھ لائے ہیں۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جو کام اس نیت اور طریقوں سے کیا جائے اس میں کبھی خیر نہیں ہو سکتی اور اپنی اغراض

کے لئے خدا اور رسول کے نام سے کھیلنے والے جو مسلمانوں کے سروں شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال کریں اللہ کی تائید سے کبھی سرفراز نہیں ہو سکتے۔ الخ..." (روزنامہ تسنیم لاہور، ۲ جولائی ۱۹۵۵ء)

امیر جماعت اسلامی کے اس بیان پر جناب حمید نظامی نے اپنے اداریہ "نقاب اٹھ جانے کے بعد" کے عنوان سے تحریر فرمایا۔

"مولانا مودودی صاحب سے بھی بجا طور پر دو سوال کئے جا سکتے ہیں۔ (۱) کیا یہ راز آپ پر آج فاش ہوئے ہیں۔ اگر آپ پر یہ خود غرضی شروع سے ہی روشن تھی تو جب "مسلمانوں کے سروں کو" آپ کے قول کے مطابق شطرنج کے مہروں کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اس وقت آپ نے قوم کو کیوں خبردار نہ کیا کہ اس سے دھوکا کیا جا رہا ہے؟ ۵ مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس کے اس جلسہ میں جو امن کی اپیل کے لئے بلایا گیا تھا آپ کا رویہ آپ کے اس بیان کے بالکل برعکس تھا اور مسلمانوں کے سروں کو بچانے کے لئے امن کی اپیل پر دستخط کرنے سے آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ امن کے لئے اس اجلاس کی ناکامی کی ذمہ داری اگر کسی فرد واحد پر عائد کی جا سکتی ہے تو وہ آپ ہیں۔ آخر اس وقت گورنر پنجاب

وزیر اعلیٰ پنجاب اور لاہور کے ذمہ دار اکابر و عمائد کے جلسہ میں آپ نے اس راز کو کیوں فاش نہ کیا کہ سوال تحفظ ختم نبوت کا نہیں بلکہ نام اور سہرے کا ہے اور خود غرض لوگ اپنی ذاتی اغراض کے لئے خدا اور رسول کے نام سے کھیل رہے اور مسلمانوں کے سروں کو شطرنج کے مہروں کے طور پر استعمال کر رہے ہیں؟ آج ۴½ ماہ بعد اس انکشاف سے تو ایک عام آدمی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ آپ کے سامنے بھی سوال تحفظ ختم نبوت کا نہیں "نام اور سہرے" کا تھا اور آپ اپنی اغراض کے لئے خدا اور رسول کے نام سے کھیل رہے تھے، اور آپ نے بھی مسلمانوں کے جان و مال کو اپنی اغراض کے لئے داؤں پر لگا دیا۔

(ب) دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو پوری ملت اسلامیہ کی انقلابی قیادت کے دعویدار اور امارت کے مدعی ہیں، کیا آپ ایسے ہی ڈھلمل یقین آدمی ہیں کہ خود اپنے قول کے مطابق آپ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ "میں نے فوراً یہ رائے قائم کی کہ مجھے اٹھ کر ابھی کنونشن سے علیحدگی کا

اعلان کر دینا چاہیے، چنانچہ میں نے ......" لیکن چند ہی منٹ بعد خود آپ کے اپنے بیان کے مطابق "اس کے بعد دوسرا خیال میرے ذہن میں آیا ......" اور آپ نے اپنی رائے بدل دی اور آپ کنونشن سے چپٹے رہے، اور اب پورے سوا دو سال بعد آپ کو یہ خیال آیا کہ آپ کو مسلمانوں کو اس خطرہ سے خبردار کر دینا چاہیے۔ خود ہی فرمایئے کہ ایسے ڈھلمل یقین اور مذبذب کیریکٹر کے لیڈر کے متعلق اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ وہ آئندہ کسی ایسے ہی کرائسس کے وقت قوم کی کشتی کو عین منجدھار میں نہ جا ڈبوئے گا۔"

(نوائے وقت لاہور و لائل پور ۶ جولائی ۵۵ء ص ۲)

جیسا کہ پہلے تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کے کردار کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے کہ اس تحریک میں جماعت نے شمولیت اختیار کی اور پھر جب ذمہ داری کا سوال پیدا ہوا تو اس سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ اس طرح سے اس تحریک میں شامل دیگر جماعتوں نے جماعت اسلامی کے کردار کو واضح کیا۔ اس وجہ سے فریقین میں جو منافرت پیدا ہوئی اس پر جناب حمید نظامی صاحب نے "متکبر صالح" کے عنوان سے

تحریر فرمایا :-

"جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے پاکستان، مجلس احرار، جمعیت اہل حدیث اور مجلس تحفظ ختم نبوت (بالخصوص مولانا احمد علی صاحب۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب اور مولانا مرتضیٰ احمد میکش صاحب) کے مابین جو جھگڑا جاری ہے بہت سے اخبارات نے اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور فریقین سے یہ اپیل کی کہ اس ناگوار جھگڑے کو ختم کریں۔ یہ اپیل غیر مؤثر ثابت ہوئی اور اب نوبت مقدمہ بازی تک جا پہنچی ہے۔

"صالحین" کے ترجمان اخبارات نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب کردار کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ صرف مولانا احمد علی وغیرہ بزرگوں کو "کفن چور" کے خطابات سے سرفراز کیا، مصالحت کی اپیل کرنے والے عناصر کے متعلق بھی یہ لکھا کہ وہ چوروں کے بھائی بند ہیں۔ یہ انداز گفتگو اسلامی چھوڑ عام شریف آدمیوں کا انداز گفتگو بھی نہیں مگر صالحین کا تکبر اور غرور انہیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنے سوا کسی دوسرے شخص کے متعلق بھی اس حسن ظن سے کام لے سکیں کہ وہ بھی کسی معاملہ میں ایماندارانہ رائے رکھ سکتا ہے۔ آج جماعت اسلامی کے اخبار نے مجلس احرار پر طعن و تشنیع اور دشنام و بہتان کے گولے برسائے ہوئے ہیں اور "نوائے وقت" پر مفت میں ہی گالیوں کی بوچھاڑ کر دی ہے۔ وجہ شکایت یہ بیان کی گئی

ہے کہ آج سے کئی سال پہلے "نوائے وقت" نے مولانا مودودی کے اس بیان پر کیوں لے دے کی تھی جس میں آپ نے جہاد کشمیر میں شرکت کو حرام قرار دیا تھا۔ صالح معاصر انتہائی بے حیائی کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ اس جہاد کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا!

معاصر یہ سوال نہ ہی اٹھاتا تو اچھا تھا۔ مولانا مودودی کے اس بیان پر لے دے صرف "نوائے وقت" نے ہی نہیں کی تھی پاکستان کے تمام اخبارات نے کی تھی معاصر اب اس کا جواب دے کہ کیا مولانا مودودی نے جہاد کشمیر کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی تھی یا نہیں؟ جب ہزاروں مسلمان اپنی جانیں اس جہاد میں قربان کر رہے تھے کیا مولانا مودودی نے یہ فتویٰ دیا تھا یا نہیں کہ اس جہاد میں شرکت حرام ہے؟ اور کیا اس فتویٰ کا قطعی نتیجہ یہ نہیں تھا کہ اس جہاد میں شہید ہونے والے مسلمان حرام موت مرے ہیں۔

ہم آج پھر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ مولانا مودودی نے جہاد کشمیر کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی اور اگر یہ جہاد ناکام رہا تو اس ناکامی میں مولانا مودودی کا بھی حصہ ہے۔ ہم یہ بھی الزام عائد کرتے ہیں کہ مولانا کا یہ فعل اضطراری نہیں تھا بلکہ ان کی پاکستان دشمنی پر مبنی تھا۔ مولانا کو پاکستان سے کد یہ بھی تھی کہ اس ملک کے بانی ہونے کا سہرا قائد اعظم کے سر کیوں ہے؟ میرے سر کیوں نہیں!

حالانکہ یہ سہرا ان کے سر نہیں باندھا جا سکتا تھا کیونکہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے نہ صرف تحریک پاکستان میں کوئی کام نہیں کیا تھا بلکہ اسکی مخالفت کی تھی اور جماعت اسلامی کے ممبروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ پاکستان کی بنیاد پر ہونے والے عام انتخابات میں غیر جانبدار رہیں یعنی پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اس انتخاب میں پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دینے کا مطلب پاکستان کے خلاف ووٹ دینا تھا۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ قائد اعظم اور تحریک پاکستان کے خلاف مولانا مودودی کا بغض آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ مولانا کی تحریک ہرگز ایک اسلامی اور دینی تحریک نہیں۔ وہ حسن بن صباح کی طرح سیاسی ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں اور ان کا مقصد دین کی سربلندی کی بجائے سیاسی اقتدار کا حصول ہے۔ ہم مولانا مودودی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ مولانا احمد علی اور مولانا میکش کی طرح ہمارے خلاف بھی ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلائیں اور عدالت میں ان الزامات کی صفائی پیش کریں۔"

(نوائے وقت لاہور و لائل پور ۱۵ جولائی ۵۵ء ص ۳)

اسی طرح ۷ ستمبر ۵۵ء کی اشاعت میں تحریر فرمایا:۔

"افسوس کہ پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ برس گزر گئے۔ مودودی صاحب نے ابھی تک مسلمان عوام

کا یہ قصور معاف نہیں کیا کہ انہوں نے مودودی صاحب کی بجائے قائداعظم کی بات کیوں مانی؟ اور پاکستان کیوں بنایا۔ گذشتہ آٹھ سالوں میں ایک مرتبہ بھی تو پاکستان کے حق میں کوئی کلمۂ خیر ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نہیں نکلا۔ پاکستان بہت برا سہی مگر آٹھ سالوں میں کوئی بات تو ایسی ہوئی ہوگی جو حوصلہ افزائی کی مستحق ہوتی؟ مگر مولوی مودودی صاحب جب بھی بولیں گے ایسی بات ہی کہیں گے جس سے پاکستان کے مفاد پر کاری ضرب پڑتی ہو۔ عین اس زمانہ میں جب ہزاروں مجاہدین جہاد آزادی کشمیر میں حصّہ لے رہے تھے اور سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے مودودی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ جہاد ہے ہی نہیں اور اس لڑائی میں شرکت حرام ہے۔ مگر جو شخص پاکستان کی آزادی کی لڑائی میں شرکت کو حرام سمجھتا رہا ہو اس سے یہ توقع ہی عبث ہے کہ وہ جہاد آزادی کشمیر کی حمایت کریگا پاکستان کے متعلق بھی مولوی صاحب کی روش اسی قسم کی تھی کہ میں اس مسئلہ کی کوئی حقیقی اہمیت ہی نہیں سمجھتا۔

پھر یہ فرمایا کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ والے اسلام کو ایک چھوٹے سے خطے میں محدود کر دینا چاہتے ہیں میں سارے ہندوستان میں اسلام کے غلبے کا خواہاں ہوں۔ پھر یہ حکم ہوا کہ پاکستان کے سوال پر ووٹنگ کے وقت غیر جانبدار ہو جاؤ اور یہ حکم یہ جاننے کے باوجود دیا گیا کہ اس ووٹنگ پر ہی پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے پاکستان کو ووٹ نہ دینے کا مطلب پاکستان کے خلاف ووٹ دینا ہے۔ پاکستان کی اس اشد مخالفت کے باوجود جب پاکستان قائم ہوگیا تو مولوی مودودی صاحب جو سارے ہندوستان میں اسلام کو غالب بنانے کے عزم کا اظہار فرمایا کرتے تھے بھاگ کر سب سے پہلے پاکستان چلے آئے۔ مولانا آزاد، سید حسین احمد مدنی صاحب، مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے بھی پاکستان کی مخالفت کی تھی مگر جب پاکستان قائم ہوگیا تو ان میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کو اپنا نیا وطن مبارک ہو، ہم اس کی ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مگر ہم ہندوستان میں ہی رہیں گے اور ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت کریں گے۔ مگر پورے نیم براعظم میں غلبہ

اسلام کے داعی مودودی صاحب کے نائب جناب نصر اللہ خاں عزیز اگست کے تیسرے ہفتہ میں ہی سول سیکرٹریٹ میں مسلم لیگی وزیروں کے دفاتر کا طواف کرتے دیکھے گئے کہ مولوی مودودی صاحب کو ہندوستان سے پاکستان پہنچانے کے لئے پرمٹ عنایت ہو جائے۔ جماعت اسلامی کی ایک شاخ ہندوستان میں بھی رکھی گئی مگر سیکولر ہندوستان میں اس جماعت کا موقف اس کے امیر کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ ہم ایک غیر فرقہ دارانہ جماعت ہیں اور بلا امتیاز مذہب وملت سب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی سیکولر اور لادین ہندوستان میں تو اس ملک کے وفادار اور خدائی خدمتگار! مگر پاکستان میں جو بہرحال مسلمانوں کا ملک ہے خدائی فوجدار اور اس ملک کی بہتری کی ہر تجویز کے مخالف۔" (نوائے وقت، ستمبر ۵۵ء)

جناب حمید نظامی صاحب نے مودودی صاحب کی شخصیت اور ان کے قول وفعل میں تضاد کا جو تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اس سے اس جماعت کے عزائم اور اسلامی ملمع سازی کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حکیم محمد اشرف ایڈیٹر "المنبر" کے انکشافات

حکیم محمد اشرف صاحب ایڈیٹر "المنبر" لائل پور اگرچہ جماعت اسلامی سے ایک عرصہ سے دل برداشتہ ہو چکے تھے مگر انہوں نے کھل کر اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن جناب سعید ملک صاحب کے استعفیٰ کی اشاعت کے بعد انہوں نے بھی اپنے اخبار میں جماعت اسلامی کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کی اور اس جماعت سے ایک لمبے عرصہ کی وابستگی کے تلخ تجربہ کو "جماعت اسلامی کے بارہ میں ہمارا موقف" کے عنوان سے "المنبر" اکتوبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر کیا۔ اس مضمون کے بعض حقیقت افروز اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس جماعت کے اندرونی اور حقیقی خدوخال واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"آج یہ سہارا ٹوٹ گیا۔ آج میرے دل کی حالت یہ ہے کہ میں صرف یہی نہیں سمجھتا کہ جماعت اپنے مقصد سے منحرف ہو گئی بلکہ میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ بالاکوٹ کے حادثہ کے بعد دوسرا سانحہ یہ ہوا کہ جماعت اسلامی قتل ہو گئی اور یہ صدمہ الم انگیز ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا

ہوں کہ اس کا قتل ان ہاتھوں سے ہوا جو اس کے پرورش کے ذمہ دار تھے ..... ص ۵

اسلام کی کتر بیونت

میں اِس خطرے کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ جماعت کے داعی تک اب اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ وہ سیاست کے موجودہ مدوجزر کے مطابق اسلام کی ایسی ایسی تعبیریں کریں جن کی پر زور تردید وہ خود اپنے ابتدائی دَور میں کر چکے ہیں اور اس طرح وہ الحاد و انکار سنت و مخالفت احادیث نبویہ کو ایسی تقویت بہم پہنچا دیں جس کی ترقی کے لئے ایک عظیم جدوجہد کی ضرورت ہے ...

رُوح سے مُعرّیٰ اِسلام

مولینا مودودی صاحب نے اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی اور قرآن کریم کی چار بنیادی اصطلاحیں، سے جس اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تھا وہ اب ایک ایسے اسلام کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس کی روح تعلق باللہ، اللہ تعالےٰ کی

نصرت و تائید، ایمان بالغیب، اللہ تعالیٰ کی عبادات میں انہماک، تقویٰ کی حقیقت کو پانے کے احساسات پر مبنی نہیں بلکہ اس کی حقیقی رُوح اسلام کے سیاسی نظام کو قائم کرنا ہے اور جماعت کے اندر اصل قیمت صرف اس چیز کی ہے کہ پروپیگنڈے، نشرواشاعت، مخالفین کی سرکوبی، اخبارات میں نمایاں ہونے دوسروں سے گٹھ جوڑ کرنے کی صلاحیت کی تعداد کس قدر پائی جاتی ہے ——— اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس روح سے معرا اسلام، اشتراکیت تو بڑی قوت ہے کسی بھی معمولی مادی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کسی دوسرے عقلی نظریہ کے بالمقابل فائق ہو سکتا ہے ——— اسلام کی قوت کا راز اس یقین میں ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر مومن کو حاصل ہوتا ہے ....

فلسفہ میکاوُلی یا اسلام

میں جماعت کی دس سالہ تاریخ بالعموم سنہ ۱۹۵۶ء تا سنہ ۱۹۴۷ء کے جماعتی فیصلوں، اقدامات، پالیسیوں اور مولانا

مودودی صاحب کے ان رجحانات کی روشنی میں (جن کا بڑا
حصہ ہنوز ارکانِ جماعت سے بھی مخفی ہے) خصوصًا اس
خطرے کو بھی حقیقت کی شکل اختیار کرتے دیکھ رہا ہوں کہ
جماعت عملاً اس عقیدہ کو اپنا رہی ہے کہ اصل چیز نصب العین
کی پاکیزگی ہے ـــــ رہا طریق کار اور وسائل تو وہ
چونکہ مقصود بالذات نہیں ہے اس لئے ان میں اگر کچھ اجزاء
باطل، جھوٹ، فریب، متضاد انگیزی اور اسلام کی عام
تفصیلات کی رُو سے ناجائز کردہ باتوں کے شامل ہو جائیں
تو انہیں بوقتِ ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے بالفاظ دیگر
جماعت جس فلسفہ میکاولی کے استیصال کے لئے
اٹھی تھی یہی اس کا طورِ فکر و عمل بن رہا ہے ـــ
اسی پر اکتفا نہیں میں جماعت کے قائدین کا موقف یہ سمجھتا
ہوں کہ وہ ان تمام باتوں کے جواز کے لئے قرآن اور حدیث
سے استدلال کریں اور اپنی ہر غلطی کو اسوۂ رسالت سے
سندِ جواز عطا کریں۔ میرے نزدیک اس سے اسلام کی
دعوت میں ایسی ایسی رکاوٹیں پیدا ہوں گی جن کے دور کرنے
کے لئے ایک طویل جدوجہد درکار ہو گی۔

استبدادِ مطلق

میں جس چیز کو کئی سال تک ابھرتے، پنپتے بار آور ہوتے اور
بالآخر جماعت پر غالب ہوتے دیکھا ہے وہ ہے استبداد
مطلق ـــ یہ استبداد سیاسی بھی ہے اور علمی بھی، دینی
بھی ہے اور معاشی بھی ـــ میں اس استبداد کو جمہوری
دنیا میں ناقابلِ عمل سمجھتا ہوں لیکن اس کے سر اٹھانے اسکے
چھا جانے اور وقتی طور پر اس کے ہلاکت خیز ہونے سے
انکار نہیں کیا جا سکتا میرے علم و مشاہدہ میں مولانا
مودودی صاحب ایک مستبد مطلق قائد اور سیاسی
لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں .... اور جب یہ
صورت حال اقامتِ دین کے نام پر ہے اور اس کو اپنانے
والی ایک جماعت ہو تو اس سے پیدا ہونے والے خطرات سے
کوئی ذی ہوش شخص انکار نہیں کر سکتا" (المنبر اکتوبر ۵۸ء)

ایڈیٹر المنبر کے اس بصیرت افروز تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ گویا جناب
مودودی صاحب جس سیاست کو مشرف بہ اسلام کرنا چاہتے تھے خود اسی کا
شکار ہو گئے اور جماعت کی اسلامی حیثیت بالکل ختم ہو گئی۔

غلاف کعبہ کی نمائش

ملک میں مارشل لا کے نفاذ کے بعد جماعت اسلامی تین سال تک "زیر زمین" رہی اور اسکی سرگرمیاں منظر عام پر نہ آسکیں۔ اس عرصہ میں "رابطہ عالم اسلامی" کے ذریعہ جناب مودودی صاحب کا سعودی عرب سے رابطہ قائم ہوا۔ اور آپ اس کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے وہاں جاتے رہے۔ حکومت سعودی عرب کے مصر سے سیاسی[1] تعلقات کشیدہ تھے، یہ کشیدگی بڑھتی گئی یہاں تک کہ غلاف کعبہ جو مصر سے تیار ہو کر آتا تھا اس کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور اس کپڑے کی تیاری کا کام پاکستان میں شروع ہوا۔ غلاف کعبہ کے لئے کل ایک ہزار گز کپڑا درکار تھا اور اسکی زری کی پٹی کا کام مکہ معظمہ کے اندر دار الکسوہ میں ہوتا تھا۔

لہ اس زمانہ سے جماعت اسلامی نے اخوان المسلمون کی تحریک پر پابندی کی آڑ میں صدر ناصر کے خلاف نفرت انگیز مہم شروع کی اور سعودی عرب کی حکومت کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کیا۔ حالانکہ ایک وقت تھا کہ جناب مودودی صاحب سعودی عرب کے خلاف زہر اگلتے رہے تھے اور اس کے سربرآوردہ حکام کو مہنت گری کا کاروبار کرنے والا قرار دیا تھا۔ اصل میں رابطہ عالم اسلامی ناصرازم کے خلاف ایک محاذ تھا جو امریکی سیاست کا شاہکار تھا۔

چنانچہ پاکستان میں اس کپڑے کو تیار کیا گیا اور پہلے اس سے کہ اس کپڑے کو سعودی عرب بھیجا جاتا اور یہ غلافِ کعبہ بنکر مقدس بنتا، جماعتِ اسلامی نے لوگوں کی گہری دلچسپی کے پیش نظر اسے ایک سیاسی سٹنٹ بنا لیا اور اسے اپنے ایک کارنامے کے طور پر مشہور کرنا شروع کیا اور پھر سارے ملک میں اس کپڑے کی نمائش کا انتظام کیا گیا۔ اس کپڑے کے جلوس مختلف شہروں میں نکالے گئے اور لوگوں نے عقیدت کے جوش میں عجیب و غریب غیر اسلامی حرکات کیں۔ چنانچہ ملک کے ذی فہم اور روشن خیال طبقہ نے اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور نے لکھا۔

"یہ ایک عظیم بدعت ہے جس کی ایک اہل علم کے ہاتھوں بنیاد رکھی گئی ہے اور جس کے برگ و بار آئندہ چل کر بہت زیادہ پھولیں گے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اہل سنت میں تعزیہ کے مقابل کوئی چیز نہ تھی۔ غلاف کعبہ یقیناً اہل سنت کے لئے تعزیہ ثابت ہوگا۔"

(الاعتصام ۱۲؍ اپریل سنہ ۱۹۶۳ء)

ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی کے فاضل مدیر نے لکھا:-

"بریلویوں پر افسوس نہیں وہ تو مٹی کی قبر کو چاٹنے سے بھی نہیں رکتے، غلافِ کعبہ کو کیوں نہ چومتے چاٹتے۔ افسوس

جماعت اسلامی کے امیر پہ ہے جو پاکستان میں صالح عقائد،
صالح اعمال، صالح معاشرہ اور صالح قیادت کیلئے سازگار
فضا پیدا کرنے کے علمبردار ہیں۔"

(تعلیم القرآن، اپریل ۶۳ء)

اسی طرح جماعت اسلامی کے گھر کے بھیدی جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے لکھا

"مجھے بہت پہلے سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جماعت اسلامی
اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم فتنہ بننے والی ہے۔
میرے بعض احباب کو میرے اس اندازہ سے کچھ اختلاف تھا
لیکن غلاف کعبہ کی آڑ میں اس جماعت نے بدعت اور
اہل بدعت کی حمایت میں جو تحریک چلائی ہے اس کو دیکھ کر
شاید اب کوئی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی میرے اس اندازہ
کو غلط قرار دے سکے۔"

(المنبر لائل پور ۱۵ اپریل ۶۳ء)

ماہنامہ "تبصرہ" لاہور نے لکھا:۔

"نام و نمود، سستی شہرت اور ریاکاری و نمائش
اب جماعت اسلامی کی عادت ثانیہ بن چکے ہیں۔
اس جماعت نے حصول اقتدار کے لئے اب وہ

حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں کہ کسی سیاسی
جماعت نے شاید اس کا تصور نہ کیا ہو۔ یہ غلاف
کعبہ ہی کا قصہ لیجئے اور ابتدار سے آخر تک اس کی ایک ایک
صورت کو سامنے رکھئے تو ہر شخص اس کی تائید کرے گا کہ جماعت
اسلامی نے غلاف کعبہ کے تقدس کو اپنی سیاسی شہرت کیلئے
کس اچھے طریقے سے استعمال کیا ہے ...... وہ ایک
ایسی جماعت ہے کہ علمائے حق کے نزدیک اسکی دینی اور
مذہبی حیثیت خود مشکوک اور محل نظر ہے۔"

(تبصرہ، اپریل ۶۳ء، ص ۵، ۶)

غرض غلاف کعبہ کے کپڑے کی نمائش کے سلسلہ میں جماعت
اسلامی نے جو روش اختیار کی وہ ہرگز مستحسن نہیں تھی اور اس
کا نوٹس ملکی پریس نے لیا اور یہ آواز حکومت سعودی عرب
تک بھی جا پہنچی اور اس نے کپڑے کے عملی طور پر غلاف بننے
سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حاجی شیخ محمد حیات صاحب نے اپنی
چشم دید شہادت کی بناء پر لکھا:۔

"چونکہ مودودی صاحب نے غلاف کعبہ کو گھر گھر
پھرایا ہے اور خلاف شرع اسکی تشہیر کی گئی اسلئے

حکومتِ سعودیہ نے اسے قبول نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے اپنے سفیر متعینہ کراچی سے جواب طلب کیا ہے کہ غلاف کعبہ کے سلسلہ میں خلاف شرع حرکات کیوں کی گئیں؟

مولانا ابوالحسنات کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد صاحب نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو بتایا کہ مودودی والا غلاف نہیں چڑھایا گیا۔ اسی طرح اور بہت سی شہادتیں موجود ہیں نیز سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ امسال کعبۃ اللہ پر چڑھنے والے غلاف پر لکھا ہے کہ یہ مکہ میں تیار کیا گیا"۔

(ماہنامہ تبصرہ لاہور، جولائی ۶۳ء)

جماعت اسلامی نے اس امر پر مکمل سکوت اختیار کیا اور اس کی تردید پیش نہ کی جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جماعت اسلامی نے محض مذہبی تقدس کی آڑ میں عوامی جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی تھی، مگر بارگاہ رب العزت میں اسے قبولیت حاصل نہ ہوئی، بلکہ یہ امر جماعت کے لئے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوا۔

جماعت اسلامی پر پابندی

حکومتِ مغربی پاکستان نے ۶ جنوری ۶۳ء کو جماعت اسلامی کی متواتر ...سرگرمیوں کے پیش نظر اسے خلافِ قانون قرار دینے کا اعلان کر دیا اور ...مودودی صاحب اور ان کے ۱۷ دیگر ارکان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی ...دوسرے شہروں میں بھی جماعت کے لیڈروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں ...جماعت کے بعض دفاتر کو سربمہر کر دیا گیا۔ اس ضمن میں سرکاری طور پر جو ...یس نوٹ حکومت کی طرف سے عوام کی اطلاع کے لئے جاری کیا گیا وہ درج ذیل ...ہے۔ اس سے جماعت اور اس کی طلبہ میں تنظیم جمعیۃ الطلبہ کا اجمالی نقشہ سامنے آ جاتا ہے

"جماعت اسلامی بنیادی طور پر ایک مذہبی تنظیم کی حیثیت سے ۱۹۴۱ء میں قائم کی گئی تاہم جلد ہی اس نے سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیں اور پاکستان کے تصور کی جو اس وقت بڑی تیزی سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مقبول ہو رہا تھا کھلم کھلا مخالفت کی۔ جماعت کے بانی اور راہنما مولینا مودودی نے "ماضی قریب کا جائزہ" میں لکھا کہ مسلم لیگ پاکستان کے لئے جد وجہد میں قوم کو سیاسی، اخلاقی اور مادی تباہی کی طرف لے گئی ہے۔ پاکستان سے جماعت خاص طور پر اسکے

راہنما مولانا مودودی کا عناد آج تک برقرار ہے اور حکومت اور مملکت کے خلاف ہیجان پیدا کرنے اور گڑبڑ پھیلانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا۔

قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد مولینا مودودی نے ملک کا وسیع دورہ کیا اور مختلف جگہوں پر جلسوں سے خطاب کیا جن میں قوم کی قیادت کو غیر اسلامی اور شیطانی قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعت نے سرکاری انتظامیہ میں گروہ پیدا کرنے کی سرگرم کوششیں کیں اور جماعت کے کارکن مختلف سرکاری اور مزدوروں اور طلباء کی تنظیموں میں داخل ہو گئے۔ ان کا ظاہر مقصد دین کے مطالعہ کو فروغ دینا تھا لیکن دراصل وہ سرکاری ملازموں کی وفاداری کو ختم کرنا حکومت کے خلاف گڑبڑ پھیلانا چاہتے تھے تاکہ اقتدار پر قبضہ کر کے ایک فاشسٹ حکومت قائم کی جائے۔ مولینا مودودی نے یہاں تک کہا کہ کوئی مسلمان سرکاری ملازم اپنے دین کو مشکوک بنائے بغیر حکومت سے وفاداری کا حلف نہیں اٹھا سکتا کیونکہ حکومت غیر اسلامی ہے۔

ملک میں گڑبڑ کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی نے اس

جنگ کی بھی مخالفت کی جو اس وقت کشمیر میں لڑی جا رہی تھی، اس کے امیر مولینا مودودی نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ صحیح معنوں میں جہاد نہیں ہے۔ مولینا مودودی کے نظریہ کی جماعت کے موجودہ جنرل سیکرٹری مسٹر طفیل محمد نے تصدیق کی اور دعویٰ کیا کہ جب تک شریعت کو پاکستان کے دستور میں شامل نہیں کیا جاتا کوئی جنگ بھی جہاد کی حیثیت سے نہیں لڑی جا سکتی۔

حکومت کے خلاف نفرت اور غداری کی ترغیب دینے پر سنہ ۱۹۴۸ء کے آخر میں گرفتار کیا گیا تھا اور وہ مئی سنہ ۵۰ء تک قید رہے۔

مولینا مودودی کی رہائی کے تھوڑے عرصہ بعد جماعت اسلامی نے پنجاب صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے لئے مہم چلائی لیکن اس کی پاکستان دشمنی پالیسی کی بنا پر اسے صرف ایک نشست حاصل ہو سکی۔

جماعت اسلامی کے مطابق وہ حکومت جو جماعت کے نظریہ پر مبنی نہیں ہے اور مثال کے طور پر قومی نظریے کی بنیاد پر ہے مولانا مودودی کے نزدیک اس کا قیام کفر ہے اور وہ تمام اشخاص جو خواہ اس میں ناظم ہیں یا اس سے دوسری طرف

وابستہ ہیں یا برضا و رغبت اس نظام کے حامی ہیں، گنہگار ہیں۔ اس لئے جماعت نے اعلانیہ مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی اور پاکستان کے قیام کے بعد اسے ناپاکستان کا نام دیا۔

جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کی گہری پڑتال ۱۹۵۴ء میں تحقیقاتی عدالت نے کی جو ممتاز دو ججوں مسٹر جسٹس محمد منیر جو بعد میں پاکستان کے چیف جسٹس ہوئے اور مسٹر ایم آر کیانی پر مشتمل تھا۔ تحقیقاتی عدالت کی مطبوعہ رپورٹ کے اقتباسات (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۹) سے جماعت اسلامی کے نظریات اور سرگرمیوں پر بہت سی روشنی پڑتی ہے۔

ایک فوجی عدالت میں اس جماعت کے بانی نے یہ بیان کیا کہ مسلح بغاوت کے سوا جماعت کا عقیدہ اور مقصد یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت کو توڑ کر جماعت اسلامی کے تصور کے مطابق حکومت قائم کی جائے۔ جماعت کے رئیس کو امیر کہتے ہیں اور اگرچہ اسکی رکنیت محدود ہے جس میں آجکل ۹۹۹ ممبر شامل ہیں لیکن جماعت کی نشر و اشاعت کی مشینری خاصی وسیع ہے۔

جماعت کے نظریے کے مطابق آئینی یا غیر آئینی ذرائع سے حکومت حاصل کرنے کے لئے جماعت سرکاری دفتروں اور مزدوروں کی تنظیموں میں داخل ہو رہی ہے۔ بہر حال دیر کے بعد جماعت طلباء کی برادری کے ذریعہ صوبے میں اپنی سرگرمیوں کو منظم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ کام بہت چالاکی کے ساتھ جمعیت طلباء کے نام سے ظاہری طور طلباء کی ایک تنظیم کے قیام سے کیا گیا ہے۔ اس مؤخر الذکر تنظیم کو بھی جماعت اسلامی کے نظام پر قائم کیا گیا ہے اور اس پر جماعت اسلامی کا براہ راست کنٹرول ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی اور جمعیت الطلبہ کے دو قسم کے ممبر ہیں۔ ایک قسم ممبروں کی وہ ہے جو تنظیم میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں اور وہ جماعت اسلامی کے معاملات میں متفقین اور جمعیت الطلبہ کے معاملات میں رفیق کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم کے ارکان اعلیٰ طرز کے ہیں جو دونوں تنظیموں میں نمایاں طور سے رکن کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دونوں تنظیموں کے مابین براہ راست اہم روابط ہیں۔ جمعیت الطلبہ کا نام لاہور جماعت کے موجودہ

امیر اور مدیر ہفت روزہ ایشیا ملک نصر اللہ خان عزیز کا عطا کردہ ہے ....

جماعت اسلامی نے طلبا میں اپنی براہ راست سیاسی ترجمانی کے لئے جمعیت الطلبہ کی تشکیل کی ہے اور یہ کہ دونوں جماعتیں قریبی تعاون سے کام کر رہی ہیں اور علی الاعلان مشترکہ سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لے رہی ہیں۔ اس امر کی ٹھوس شہادت موجود ہے کہ لاہور اور دوسرے مقامات پر طلبہ کی گڑبڑ جماعت اسلامی کے پیروؤں کی اعلانیہ اشتعال انگیزی کا نتیجہ تھی۔

مختصر یہ کہ جماعت اسلامی اور اس کے لیڈر اندرونی طور سے بعض اوقات کھلم کھلا اپنی تقریروں کے ذریعے ملک اور حکومت سے لوگوں کی وفاداری کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی حکومت اس قسم کی معاندانہ سرگرمیوں کو برداشت نہیں کر سکتی اور نہ کسی پارٹی کو ملک میں قانون و ضبط سے تجاوز کی اجازت دے سکتی ہے۔

جماعت کی یہ تمام سرگرمیاں جماعت کے واحد مقصد کے تحت ہیں جو پُر امن یا طاقت کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل

کرنا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے جماعت کے لیڈروں کی تقریریں، تحریریں اور اقدامات جاری ہیں۔ جماعت اسلامی نے پاکستان میں قائم شدہ حکومت کیخلاف نفرت اور عناد پھیلانے کی کوشش میں پاکستان کی شجاع مسلح افواج کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور جماعت کے جنرل سیکرٹری مسٹر طفیل محمد نے ۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو میانوالی میں تقریر کرتے ہوئے حکومت پر مسلح فوج کو رشوت دینے اور مسلح افواج پر رشوت قبول کرنے کا الزام عائد کیا۔

جماعت اسلامی صرف اندرونی بدنظمی اور انتشار ہی پیدا نہیں کر رہی بلکہ وہ خارجی تعلقات کے میدان میں بھی حکومت کو مشکلات میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ترجمان القرآن کے اکتوبر کے شمارے میں جسے مولانا مودودی ماہوار شائع کرتے ہیں ایران اور اس کے شاہی خاندان پر ایک غیر ضروری اور ناپاک حملہ کیا گیا ہے۔ اس حملے کا ظاہری مقصد پاکستان اور ایران کے مابین جو ہمارا روایاتی اتحاد ہے دوستانہ تعلقات خراب کرنے کا ہے۔

جماعت اسلامی کا ایک اور غیر پسندیدہ اور غیر معقول

پہلو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غیر ملکی ذرائع سے ہدایات حاصل کرتی ہے بلکہ حکومت کے پاس اس کا ٹھوس ثبوت موجود ہے کہ وہ بعض غیر ملکی ذرائع سے جو پاکستان کے دشمن ہیں وسیع مالی امداد حاصل کر رہی ہے۔ اس بارے میں تحقیقات کی جا رہی ہے اور مناسب وقت پر کارروائی کی جائے گی۔ ان حالات میں حکومت قانون و ضبط اور ملک کی سالمیت برقرار رکھنے کے ابتدائی فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی اگر وہ ایسی سرگرمیوں کو قائم رکھنے یا جماعت کو جاری رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس لئے حکومت مجبور ہو گئی ہے کہ ملک کے خلاف جماعت کی تخریبی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے جماعت اسلامی پر پابندی عائد کرنے کی خاطر قانونی کارروائی کرے۔"

(امروز ۷ جنوری ۱۹۶۴ء)

پابندی پر بھارتی پریس کی نکتہ چینی

مغربی پاکستان کی طرف سے جماعت اسلامی پر پابندی اور جناب مودودی صاحب کی گرفتاری پر بھارتی پریس نے گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور حکومت کے اس اقدام کو جناب مودودی صاحب کے کشمیر کے متعلق

موقف کو اصل وجہ قرار دیا۔ چنانچہ جالندھر سے شائع ہونے والے پرانے اخبار اکالی پتریکا نے لکھا:-

"پاکستان کی حکومت نے جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے دیا ہے .... جماعت اسلامی ... کے اکابر کشمیر کے بارہ میں پاکستان کی لڑائی کو جہاد تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔"

(روزنامہ اکالی پتریکا، ۸ جنوری ۱۹۶۴ء)

دہلی سے شائع ہونے والے روزنامہ "نواں ہندوستان" نے لکھا:-

"جماعت اسلامی کو مغربی پاکستان کی حکومت نے خلاف قانون قرار دیدیا ہے .... سب سے اہم اعلان جو اس پارٹی نے کیا وہ یہ تھا کہ جماعت اسلامی کشمیر کے مسئلہ کو جہاد کہنے کے لئے تیار نہ تھی کیونکہ پارٹی کی رائے میں کشمیر کے مسئلہ کو موجودہ حکومت جان بوجھ کر جہاد بنا رہی ہے اور خواہ مخواہ ان لوگوں کو بدھو بنایا جا رہا ہے۔"

(روزنامہ نواں ہندوستان، ۸ جنوری ۱۹۶۴ء)

پٹیالہ اور بھٹنڈا سے بیک وقت شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اخبار

روزنامہ رنجیت نے پہلی خبر جماعت اسلامی کی ہی دی اور اس میں بیان کیا کہ :-

"حکومت پاکستان نے پارٹی پر یہ الزام دیا ہے کہ یہ طاقت استعمال میں لاکر حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یاد رہے کہ یہ پارٹی پاکستان کی طرف سے کشمیر پر کئے گئے حملے کو جہاد کہنے سے انکاری تھی ۔"

بھارتی پریس کے اس ردِ عمل سے یہ اندازہ واضح طور پر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے جو فتویٰ جہادِ کشمیر کے متعلق دیا تھا اسے بھارتی اخبارات نے ہندوستان کے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ قائم رکھنے کیلئے خوب استعمال کیا ۔

ے مل گئے کعبہ سے بت صنم خانوں کو

الیکشن اور عورت کی سربراہی کا مسئلہ

۱۹۶۴ء میں ملکی انتخابات کا مرحلہ آگیا ۔ اس موقعہ پر جماعت اسلامی نے کنونشن لیگ کے خلاف جو متحدہ محاذ تشکیل ہوا ، اس میں شرکت کی اور جناب ایوب خان صاحب کا مقابلہ کرنے کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو محاذ کی طرف سے نمائندہ مقرر کیا گیا ۔ انتخابی مہم میں دونوں طرف سے ہر ممکن کوشش ہوئی ۔ اس موقعہ پر جماعت اسلامی نے متحدہ محاذ کے لئے ایک ایسا مسئلہ پیدا کر دیا جس نے محاذ کی مشکلات میں اضافہ کر دیا اور خود جماعت اسلامی کے لئے ایک لاینحل مسئلہ کھڑا کر دیا ۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ مودودی صاحب اپنی تحریرات میں شریعت اسلامیہ کی رُو سے یہ ثابت کر چکے تھے کہ کسی حالت میں بھی عورت زمامِ حکومت نہیں سنبھال سکتی ۔ چنانچہ ترجمان القرآن جنوری ۱۹۵۱ء میں آپ یہ فیصلہ دے چکے تھے :-

۱۔ "رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے"

۲۔ "انتخابات میں عورتوں کے ووٹ صرف مردوں کے لئے ہی استعمال کئے جا سکتے ہیں ۔ عورتوں کے لئے نہیں"

(انتخابی جد و جہد صـ ۲۲۲)

۳۔ "مملکت میں ذمہ داری کے مناصب خواہ وہ صدارت

ہو یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔"

(اسلامی ریاست ص۲۹۱)

مودودی صاحب اپنے پرچہ بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء میں پہلے ہی سے اس موضوع پر تحریر کر چکے تھے، فرماتے ہیں :-

ا۔ "کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ ایک گھر میں تو عورت کو قوام نہ بنائے گا مگر کئی لاکھ گھروں کے مجموعے پر اسے قوام بنا دے گا۔"

(ترجمان القرآن ۵۲ء، ص۱۰)

۲۔ "از روئے احادیث نبویؐ سیاست اور ملک داری عورت کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔" (ص۱۱)

"اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے" (یعنی زمین پر زندہ پھرنے کے بجائے دفن ہو جانا بہتر ہے۔ ناقل)

ب۔ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کئے ہوں" (ص۱۱)

جناب مودودی صاحب کے یہ نظریات ایسے واضح ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جب سے آپ نے خارزار سیاست میں قدم رکھا آپ ایسی کئی سیاسی قلابازیاں لگا چکے ہیں۔ آپ بظاہر تو اسلامی نظام کے قیام کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں لیکن اس کے لئے جو حربے استعمال کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور "گمراہی کی طرف دھکیل دینے" والے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں :-

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عمومی مصالح کے پیش نظر نصوص کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں ایک ایسی غلط فہمی جو بسا اوقات ایک انسان کو کھلی گمراہی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔"

(ترجمان القرآن، اپریل ۵۸ء، ص۶۴)

کیا جناب مودودی صاحب نے محض عمومی مصالح کے پیش نظر قرآن و سنت کی اس نص کو نظر انداز نہیں کر دیا تھا کہ عورت ملک داری کے عمل سے خارج ہے؟ چنانچہ اس موقعہ پر ملک کے باشعور طبقہ میں یہ احساس پختہ ہو گیا کہ جناب مودودی صاحب اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں کہ اب قرآن و سنت کے نصوص کو "اضطرار" کی آڑ میں چھوڑ سکتے ہیں اور من مانا کارروائی کر سکتے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

جب مودودی صاحب سے ان کے اس طرزِ عمل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ انہوں نے اضطرار کے ماتحت عورتوں کی سربراہی کو جائز قرار دے لیا ہے۔ مگر اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اب ایسا اضطرار ان کو روزمرہ پیش نہیں آئے گا۔ اگر ایک وقت وہ مکرم محمد ایوب خاں صاحب کی دشمنی میں شریعت اسلام کے اپنے مسلمہ مسائل کو تبدیل کر سکتے ہیں اور "مسلمان مرد" کی بجائے ایک عورت کو رکھ سکتے ہیں تو کل وہ مسلمان کی بجائے کافر کو صدر مملکت مقرر کرنا بھی جائز قرار دے سکتے ہیں۔ کیا اسی کا نام ان کے نزدیک اقامت دین ہے؟

جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے اس پر بہت عمدہ لکھا کہ:-

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ جماعت شامل ہوئی تھی متحدہ محاذ میں اسلام قائم کرنے اور محاذ کو اسلام کے لئے استعمال کرنے کے دعویٰ سے، اور اس کو انگوٹھا لگانا پڑا پہلے ہی قدم پر ایک ایسی بات پر جو اس کے نزدیک حرام ہے۔"

(ماہنامہ میثاق بحوالہ المنبر ۳۰ر اکتوبر ۱۹۶۴ء)

ایک اور موقعہ پر مودودی صاحب نے اپنے مسلک کے جواز میں فرمایا:-

"ایک طرف ایک مرد ہے جس میں سوائے اس کے کہ وہ مرد ہے

اور کوئی خوبی اس میں نہیں۔ دوسری طرف ایک عورت ہے جس میں سوائے اس کے کہ وہ ایک عورت ہے اور کوئی برائی نہیں۔"

اگر اس جواب کو جناب مودودی صاحب کے سابقہ فتاویٰ کی روشنی میں پڑھا جائے تو بے اختیار منہ سے نکلتا ہے کہ

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

کیا پہلے فتاویٰ میں ایسی گنجائش موجود تھی کہ اگر عورت غیر معمولی خوبیوں کا مرقع ہے تو پھر وہ سربراہ مملکت بن سکتی ہے؟ اگر نہیں تو یہ جواب کس صالحیت کا آئینہ دار ہے۔

غرض مودودی صاحب کے اس اقدام نے ہر غور و فکر کرنے والے انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ آپ نے دین کو اپنی سیاست کے لئے بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر آج آپ اپنے حسب منشاء نعوذ قرآن و سنت کو بدل سکتے ہیں تو اگر اقتدار کی مسند پر جلوہ افروز ہوں تو کیا نہیں کریں گے۔ جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے اسی بناء پر آپ کی اس سیاسی روش پر طنزیہ انداز میں کہا:-

"اعتراض کرنے والے بھی نہیں سوچتے کہ آخر ایک عارضی حرام کو اختیار کر کے جماعت نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ اگر کچھ بگاڑا ہے تو شریعت کا بگاڑا ہے اور وہ بھی شریعت

ہی کی خاطر۔ آخر کیا شریعت میں سارے تصرفات کرنے کا اختیار صرف ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور پرویز صاحب کو ہی حاصل ہے۔ جماعت اور اس کے امیر کا شریعت پر کوئی حق نہیں؟"

جناب مودودی صاحب کے اس طرز عمل نے خود جماعت کے سمجھدار طبقہ کو جھنجھوڑا اور وہ اندھی تقلید کی نیند سے بیدار ہوئے اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن جناب مودودی صاحب کی خود پسند اور ہٹ دھرم طبیعت اعتراف حق سے مانع رہی اور اپنے موقف کی واضح غلطی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس امر نے:

- جماعت اسلامی کے "اسلام" کی قلعی کھول کر رکھ دی۔
- متحدہ محاذ کی شکست کے لئے راہ ہموار کر دی۔
- جماعت کے متعدد زعماء کو ہمیشہ کے لئے جماعت کو خیرباد کہنے کے لئے مجبور کر دیا۔
- جماعت کے اندرونی غیر جمہوری طرز عمل کو بے نقاب کر دیا۔

کوثر نیازی صاحب ایڈیٹر "شہاب" کا خروج

ملک کے ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں جماعت اسلامی نے اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس موقعہ پر جناب مودودی صاحب نے اپنے سابقہ موقف سے روگردانی کرتے ہوئے ایک عورت کی صدارت کے لئے دینی جواز کے جو نکات پیش کئے اس پر ملک کے تمام مذہبی حلقوں میں شدید ردعمل ہوا۔ اور جماعت کے متعلق یہ تاثر گہرا ہو گیا کہ وہ مفاد پرست ہے اور اس نے حصول اقتدار کی سیاست میں مذہب کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ خود جماعت کے رکن رکین اور مدیر ہفت روزہ "شہاب" لاہور جنکو "صالح ادیب" کے خطاب سے نوازا گیا تھا، نے اسی بنا پر استعفیٰ دیدیا۔ آپ نے نہایت تفصیل سے اپنی علیحدگی کی وجوہات اپنے ایک خط میں تحریر کیں جو آپ نے مودودی صاحب کو ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو تحریر کیا تھا۔ اس کے جواب میں بجائے اس کے کہ مودودی صاحب تائب ہوتے اور حقائق کا جواب دیتے صرف یہ لکھدیا:۔

"مناسب یہی ہے کہ آپ مستعفی ہو جائیں"

چنانچہ کوثر نیازی صاحب نے اپنی خط و کتابت پریس میں چھپوا دی جس کے ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں۔ قارئین اسے پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں

کہ جماعت اسلامی کس طرح فکری اور عملی کجروی کا شکار ہو چکی ہے اور اس کے اندرونی جبری نظام کی کیا بھیانک صورت ہے ۔ جس کی وجہ سے جماعت کے کارکن ایک ایک کر کے اس سے علیحدہ ہو رہے ہیں ۔

جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

جناب کوثر نیازی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

رہرواں پشت بمنزل

"جماعت جس غلط راستے پر چل پڑی ہے بلکہ اس راستے کی جس منزل پر جا کر رک گئی ہے اس کی مثال ایک تنگ گلی کی سی ہے جس سے پیچھے ہٹنے یا آگے بڑھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی دوسرے لفظوں میں ہماری تحریک "رہرواں پشت بمنزل" کا قافلہ بن چکی ہے ۔ کتمانِ حق ہو گا اگر میں جماعتی خیر خواہی کے لئے آپ کے سامنے اپنے قلبی احساسات کی یہ تصویر نہ رکھوں کہ جن تصورات کے تحت میں جماعت میں شامل ہوا تھا آج وہ تصورات نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور اپنی ذاتی اصلاح و تکمیل کا جو مقصد مجھے جماعت میں لایا تھا جماعت کی پالیسی اور طرز عمل نے دوسرے ارکان کی طرح مجھے اس مقصد سے محروم ہی نہیں کیا بہت دور پھینک دیا ہے ۔"

صدارتی انتخاب

"صدارتی انتخاب کی مہم کے دوران جو غلطیاں ہم سے ہوئی ہیں وہ اتنی ہولناک ہیں کہ ان کے تذکرے سے بھی دل کانپتا ہے اور چونکہ جماعت کی پالیسی کے تحت مجھے بھی ان غلطیوں کا بار بار ارتکاب کرنا پڑا ہے اس لئے میں ان کی شدت کو بہت زیادہ محسوس کر رہا ہوں ۔ مجلس عاملہ کے حالیہ اجلاس میں اگر اپنی غلطیوں کا احساس و اعتراف کر کے راست روی اختیار کر لی جاتی تو شاید اس احساس میں کمی واقع ہو جاتی مگر عاملہ نے اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی ہے اس پر مسلسل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس سے جماعت ایک ایسے راستے پر ڈال دی گئی ہے جو دینی اعتبار سے سخت دوغلے پن بلکہ (مجھے اس سخت لفظ کے استعمال کے لئے معاف فرمایئے) نفاق کا راستہ ہے اور سیاسی حیثیت سے فہم و فراست اور حکمت و دانش کے پہلو سے ہمارے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان عام ہے ۔"

عورت کی سربراہی اور دین

"اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری بہت سی اصولی

غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلہ میں جو روش اختیار کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی جو سزا ملے گی اس کا مسئلہ تو الگ ہے اس دنیا میں بھی اندرون و بیرون ملک ہماری دینی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اگر ہمیں صدر ایوب کی مخالفت کرنی ہی تھی اور محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دینا ہی تھا تو سیاسی اور جمہوری ضرورتوں کا اظہار کر کے لیا کیا جاسکتا تھا مگر اس کے لئے ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا نظریہ پیش کیا ہے اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں۔"

متضاد موقف

"ہم نے ۱۹۴۹ء کی انتخابی پالیسی سے لے کر عورت کے مسئلہ صدارت تک ہر متضاد بات کے لئے جس طرح نصوص قرآن و حدیث کو پیش کیا ہے اس کے بعد اس ملک میں کوئی ذی فہم آدمی ہماری پیش کردہ دینی اور اصلاحی دعوت پر اعتماد

نہیں کر سکتا۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں تضادات کا شکار ہوئے جانے کے ادوار آپ سے بڑھ کر کس پر روشن ہوں گے۔"

تنخواہ دار کارکن

"اگر ہم دین کے لئے کوئی کام نہ کر سکتے تو ہمارے لئے ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے کام کرنے کا دوسرا میدان باقی تھا۔ مگر میں نہایت افسوس کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری تنظیم کے قواعد اور اسکی موجودہ ہیئت اس کے لئے سخت غیر موزوں اور نامناسب ہیں۔ اسکی وجہ سے ہمارے ارکان کی تعداد غالباً ڈیڑھ ہزار سے متجاوز نہیں ہو سکی اس میں بھی ہر پندرھواں رکن تنخواہ دار اور ہمہ وقتی کارکن ہے جماعت کے پورے دروبست اور قیادت پر انہی ہمہ وقتی اصحاب کا قبضہ ہے۔"

خدمت خلق کی حقیقت

"ہم نے ہمیشہ اپنے شفاخانوں اور خدمت خلق کے دوسرے کاموں کو جماعت کے اثر و رسوخ اور سیاسی مواقع کے حصول کے پیمانے سے ناپا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی

سیاسی اور ہنگامی مقصد کے بغیر ہم خدمت خلق کا کوئی بھی منصوبہ زیر عمل نہیں لا سکتے۔"

جماعت کا اخلاقی تنزل

"جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جماعت کی اخلاقی حالت (میں اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار نہیں دوں گا)، انتہائی حد تک زوال پذیر ہو چکی ہے اور اس پہلو میں حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں تو میری مایوسی اور شدید ہو جاتی ہے۔ میں نے اس سلسلے میں کئی مرتبہ آپ کو توجہ دلائی ہے اور مجھے یاد ہے کہ ہر بار آپ دل گرفتہ ہو کر سر تھام کر بیٹھ جاتے ہیں اور اعتراف کر لیتے تھے کہ یہ سب کچھ آپ کو معلوم ہے مگر آپ کچھ نہیں کر سکتے۔"

افسوسناک کردار

جماعت میں باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں۔ لین دین کے معاملہ میں کارکن تو ایک طرف رہے ہمارے رہنما تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں۔ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی

بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسولؐ کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہل کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔"

ناکام قیادت

"ہمیں کھلم کھلا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ہم اپنی اسکیموں میں ناکام ہو گئے ہیں لہٰذا جماعت کے کارکن اور ارکان آزاد ہیں وہ جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں۔ کبھی خیال آتا ہے ہمیں ایک بہادر انسان کی طرح مان لینا چاہیئے کہ ہمارا فکر اور عمل دونوں غلط تھے اب ہم ارکان جماعت کا ایک کل پاکستان اجتماع بلا کر اپنے لئے از سر نو لائحہ عمل ترتیب دیں گے۔"

جناب کوثر نیازی صاحب نے جن تلخ حقائق کو بیان کیا ہے جماعت اسلامی اس تلخ نوائی کو کب برداشت کر سکتی تھی بلکہ اسکے برعکس اس نے جناب کوثر نیازی کے خلاف اپنا محاذ کھول لیا لیکن جناب کوثر نیازی صاحب بھی آخر قلم کے بیدار تھے وہ شباب کے نئے روپ میں مودودیت کیلئے ایک صاعقہ بنکر گرے ہیں اور جماعت کے اندرونی حقائق جس رنگ میں منظر عام پر لا رہے ہیں اس نے قصر مودودیت کو یقیناً لرزہ براندام کر دیا ہے۔

انقلاب یا جمہوریت

جناب مودودی صاحب نے جماعت اسلامی کی تاسیس کے وقت سے ہی یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ اس جماعت کا بہرحال اقتدار کی کنجیوں پر قابض ہونا لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر حکومت الٰہیہ کا قیام مکمل طور پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن حصول اقتدار کے گذشتہ اور موجودہ طریق عمل میں بہت بڑا تضاد ہے۔ جناب مودودی صاحب نے ابتداء میں جو اسلامی انقلاب کا طریق بتلایا تھا وہ یہ تھا کہ :

"اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانون برحق مان لیا۔ نہیں اس کے ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلق خدا کی اصلاح کے لئے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو۔ ناخدا ترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو۔"

(خطبات صـ۳۱۴)

اور اسلامی عبادات اور جہاد کا فلسفہ ہی یہ بیان کیا کہ اس کے ذریعہ سے حکومت

پر قبضہ کرنے کے لئے صالحین کو تیار کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو لہٰذا آگے بڑھو، لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بیدخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔"

(خطبات صـ۳۱۶)

اسی طرح فرماتے ہیں :-

"ایک راہ یہ ہے کہ ان ارباب اقتدار سے بزور شمشیر اقتدار چھین لیا جائے جن کی طرف سے کفر بواح (صریح) کا ظہور ہوا ہے اور ملک کے نظام کو از سر نو اسلام کی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے۔ یہ راہ اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جب صالحین کا گروہ منظم ہو۔ اس کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اس بات کا حسن ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی ان کا ساتھ دے گی۔ اور کسی بڑی تباہی اور خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو مٹا کر صالحین کا اقتدار

قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے **ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کریں اور حکومت پر قبضہ کر لیں**"۔

(اسلامی ریاست)

غرض جناب مودودی صاحب کی ابتدائی تحریروں میں تمام زور اس امر پر رہا کہ "بزور شمشیر" اور "لڑ کر" صالحین کا گروہ اقتدار پر قابض ہو جائے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنی جماعت کو "پیغمبرانہ تحریک" قرار دیتے تھے اور نبیوں کو "انقلابی لیڈر" سمجھتے تھے جو اپنے صالحین کے بل بوتے پر بہر صورت اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں یا اس کے لئے فضا ساز گار کرتے ہوئے سدھار جاتے ہیں (نعوذ باللہ) اس وجہ سے اس زمانہ میں آپ کی جس قدر تحریریں تھیں ان میں جناب مودودی صاحب مغربی جمہوریت کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ جب قیام پاکستان کی جنگ لڑی جا

لہ "اس وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنیکی کوشش کی" (تجدید و احیائے دین) اسی طرح فرماتے ہیں :- "اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلعم سب سے بڑے انقلابی لیڈر تھے"۔

(جہاد فی سبیل اللہ)

ہی تھی اور انگریزوں اور ہندوؤں سے آزاد ہونے کے لئے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے تھے تو اس وقت آپ جمہور مسلمانوں کے اس نظریہ کے خلاف تھے۔ فرماتے ہیں :-

"اگر آزادی کی یہ ساری لڑائی صرف اس لئے ہے۔۔۔۔ کہ امپیریلزم کے الٰہ کو ہٹا کر ڈیموکریسی کے الٰہ کو بت خانہ حکومت میں جلوہ افروز کیا جائے تو مسلمان کے نزدیک درحقیقت اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لات گیا منات آگیا۔ ایک جھوٹے خدا نے دوسرے جھوٹے خدا کی جگہ لے لی۔ باطل کی بندگی جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ کون مسلمان اس کو آزادی کے لفظ سے تعبیر کر سکتا ہے"۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم صفحہ ۹)

اور پھر جمہور کی سوسائٹی سے قائم ہونے والی نمائندہ حکومت کو محض اس وجہ سے "کافرانہ حکومت" قرار دیا کہ ان کا انتخاب بگڑی ہوئی سوسائٹی کے افراد کا نتیجہ ہوگا۔ فرماتے ہیں :-

"جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلیگا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا

ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسراقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشات نفس سے سند قبولیت حاصل کر سکیں گے۔ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائیگی تو ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف **مسلمانوں کی کافرانہ حکومت** ہوگی۔ اس کا نام حکومت الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم، ص۱۳۲)

اسی طرح کہا:۔

"تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلہ میں خدا پرستانہ خلافت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرو۔"

(جماعت اسلامی کی دعوت، تقریر مودودی صاحب، مئی ۴۶ء)

پھر یہ بھی کہا کہ:۔

"ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے

جمہوری اصول پر مبنی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے۔"

(رسائل و مسائل حصہ اول ص۴۵)

غرض جناب مودودی صاحب کی تمام ابتدائی تحریریں جمہوری نظام اور اسکے نتیجہ میں قائم ہونے والی اسمبلیوں وغیرہ کے شدید خلاف تھیں۔ اس دور کی کوئی ایک تحریر بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں انہوں نے جمہور مسلمانوں کے فیصلہ کو صحیح قرار دیا ہو بلکہ انکو قابل مذمت اور گردن زدنی قرار دیا، اور اسکی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمانوں کی اکثریت اسلام سے نابلد ہے اور ان کا فیصلہ کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۱۳۵)

بلکہ مسلمانوں کی اکثریت کو منافق اور فاسق قرار دیتے ہوئے کہا:۔

"مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت کو چھوڑ کر اس قوم کی بہت بڑی اکثریت منافق اور فاسق العقیدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔"

جناب مودودی صاحب کی اس "قلیل جماعت" سے مراد جماعت اسلامی ہی تھی کیونکہ وہ اپنی جماعت کے علاوہ باقی تمام کو مکمل اسلام پر عمل پیرا

نہیں سمجھتے اور ابتدائی طور پر آپ کا یہی خیال تھا کہ جب ان کے نزدیک صالحین کا گروہ پیدا ہو جائے گا تو وہ بزور شمشیر بہرحال حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک پیغمبرانہ تحریک کے نتیجہ میں اکثریت شروع میں ساتھ نہیں دیتی بلکہ جب ایک قلیل صالح گروہ حکومت پر قبضہ کر لیتا ہے تو پھر اکثریت کو ہمنوا بنایا جا سکتا ہے۔ اس بنار پر آپ کبھی بھی جمہوریت کے حق میں نہیں تھے کیونکہ اس طریق سے کبھی بھی انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔

جناب مودودی صاحب نے یہ نظریات ایسے زمانہ میں پیش کئے جب کہ جماعت کو کوئی خاص شہرت حاصل نہ تھی اور ویسے بھی انگریزی حکومت کے چل چلاؤ کا زمانہ تھا ورنہ اس قسم کے نظریات کوئی بھی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان قائم ہو گیا اور یہاں ویسا ہی جمہوری نظام قائم ہو گیا جس کا آج جماعت اسلامی مطالبہ کر رہی ہے تو جناب مودودی صاحب نے زعماء حکومت کو ہدف تنقید بنایا اور پھر جہاد کشمیر کی حرمت کا فتویٰ دے ڈالا۔ جسکی وجہ سے آپ کو قید کر لیا گیا اور ۲۰ ماہ کے بعد جب آپ رہا ہوئے تو ملکی انتخابات منعقد ہونیوالے تھے۔ اس وقت جناب مودودی صاحب نے یہ محسوس کیا کہ ان کا سابقہ اسلامی نظام کا انقلاب برپا کرنے کا فارمولا یہاں کارگر نہیں ہو سکتا بلکہ اسکی تشہیر سے وہ خود ہی ہمیشہ کیلئے قید و بند کی صعوبتیں سہتے رہیں گے۔ اس لئے آپ نے نومبر ۵۱ء میں کراچی کے اجتماع

بات میں حصہ لے کر اسلامی نظام قائم کرنیکا آئندہ لائحہ عمل جماعت ے پیش کیا اور اس میں بجائے "نظام حکومت پر قبضہ کرنیکے" نظریہ کو "نظام ت کی اصلاح" کے طور پر پیش کیا اور اسکی تبدیلی کا ذریعہ یوں بتایا:۔

"یہ تبدیلی کس طرح ہو سکتی ہے؟ **ایک جمہوری نظام میں اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ ہے انتخابی جدوجہد۔** رائے عامہ کی تربیت کی جائے۔ عوام الناس کے معیار انتخاب کو بدلا جائے۔ انتخاب کے طریقوں کی اصلاح کی جائے اور پھر ایسے صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پہ پہنچایا جائے جو ملک کے نظام کو خالص اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنیکا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور قابلیت بھی۔"

(مسلمانوں کے ماضی وحال اور مستقبل کا لائحہ عمل)

واضح ہے کہ جناب مودودی صاحب نے اپنے نظریہ میں تبدیلی حالات ے پیش نظر کی تھی اور یہ ایسی نمایاں تبدیلی ہے کہ ہر وہ شخص جو جماعت کے ابتدائی لٹریچر سے واقفیت رکھتا ہے وہ اسکو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شروع ں تو ارکان جماعت نے اس بدلے ہوئے موقف کا ساتھ دیا اور انتخابات ی مہم میں کود پڑے لیکن انتخابات میں جماعت بری طرح ناکام ہوئی۔ اور دوسری طرف خارزار سیاست میں قدم رکھنے کے بعد جماعت میں اس کے

بد نتائج نکلنے شروع ہوئے ۔ چنانچہ جماعت کے معتمدین اور ذی فہم اصحاب نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور انہوں نے کھل کر اس امر کا اظہار کیا کہ وہ ایک "غلط موڑ" مڑ آئے ہیں ۔ اس پر مودودی صاحب نے جو طریق اختیار کیا اسکی تفصیل خود جماعت کے ایک فعال کارکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یوں قلمبند کی ہے :-

"اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جماعت اسلامی ایک خاص دعوت اور نظریہ ـــــ اور ایک مخصوص پروگرام اور لائحۂ عمل کی علمبردار بن کر اٹھی تھی ۔ اور اپنے قیام کے وقت سے لے کر چھ سات سال تک وہ نہ صرف یہ کہ اپنے اس طریق کار پر خود سختی کے ساتھ عمل پیرا رہی ۔ بلکہ اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دوسری ہمعصر تحریکوں اور جماعتوں پر شدید تنقید بھی کرتی رہی ـــــ لیکن ۴۷ء میں کچھ حالات کی تبدیلی سے مغالطہ کھا کر اور کچھ اپنی طاقت کے بارے میں غلط اندازوں کی بناء پر اس نے اپنے طریق کار میں بنیادی تبدیلی کر دی ۔ یہ تبدیلی اگرچہ نہایت اہم اور بنیادی نوعیت کی تھی لیکن ابتداءً ایسی غیر محسوس تھی کہ تمام ارکان تو کجا جماعت کے سوچنے سمجھنے والے

لوگ بھی اس کے دوررس نتائج کا اندازہ نہ کر سکے لیکن رفتہ رفتہ جب اس کے نتائج عالم واقعہ میں رونما ہونے شروع ہوئے تو اوّلاً اس کے اہل علم و فکر حضرات کی ایک بڑی تعداد اور پھر اسکے عام ارکان اور کارکنوں کی بھی ایک اچھی بھلی تعداد نے محسوس کر لیا کہ ہم ایک غلط موڑ مڑ آئے ہیں"۔

جماعت کی صفوں میں اس احساس نے اتنی شدت اختیار کی کہ اسکی مرکزی مجلس شوریٰ مجبور ہو گئی کہ ایک ایسی جائزہ کمیٹی کا قیام عمل میں لائے جو مختلف نقطہ ہائے نظر سے واقفیت حاصل کر کے مجلس کے سامنے رپورٹ پیش کرے ۔ اس جائزہ کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی اس نے مرکزی مجلس شوریٰ کو اس قطعی نتیجے پر پہنچا دیا کہ جماعت غلط رخ پر بڑھ آئی ہے اور اب خیریت اسی میں ہے کہ اس کا رخ تبدیل کر دیا جائے ۔ بدقسمتی سے جماعت کے "قائد اعلیٰ" نے اسے اپنے اوپر عدم اعتماد کے اظہار کے مترادف سمجھا ۔ چنانچہ انہوں نے شوریٰ کے سامنے اپنا استعفاء پیش کر دیا لیکن شوریٰ کے کہنے سننے پر وہ اس پر آمادہ ہو گئے کہ جماعت کے امیر بھی رہینگے

اور اس کے رخ کو تبدیل بھی کر دیں گے۔ چنانچہ ایک مصالحتی
قرارداد پر دستخط کر کے وہ اور اراکین شوریٰ اپنے اپنے
گھروں کو روانہ ہو گئے۔ —— لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے
کہ اس کے فوراً بعد کس نوعیت کا ردِّ عمل ان پر طاری ہوا کہ
اوّلاً انہوں نے ارکان جائزہ کمیٹی پر نادانستہ سازش کا الز
الزام لگا کر ان سے استعفےٰ طلب فرما لئے، اور جب جماعت
کی ایک معتدد شخصیت نے ان کے اس اقدام کے جواز کو چیلنج
کیا تو خود علی الاعلان —— امارت جماعت سے مستعفی
ہو کر انتہائی مظلومیت کا سوانگ رچا لیا۔ اس پر جماعت
میں ایک ہنگامی صورت حال طاری ہو گئی جس سے متاثر ہو کر
پہلے "سرکش شوریٰ" نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اور پھر عام
ارکانِ جماعت نے بھی اس حال میں کہ ایک طرف ان کے سروں
پر امیر کے استعفےٰ کی تلوار لٹک رہی تھی اور دوسری طرف کچھ
مخلص مصالحت کنندگان نے اختلاف کرنے والے اہم لوگوں
کی منت سماجت اور خوشامد درآمد کر کے ان کو بعض وعدوں
کی بیڑیوں میں جکڑ لیا تھا —— امیر جماعت کی اختیار کردہ
پالیسی کی توثیق کر دی —— اس "شاندار فتح" کے نشے

میں سرشار ہو کر قائد تحریکِ اسلامی نے ایک نئی چو مکھی جنگ
چھیڑ دی۔ ایک طرف انہوں نے جماعت میں اختلاف پیدا
کرنے والوں پر "ضعفِ ارادہ بسیط" اور "ضعف ارادہ مرکب"
کی پھبتیاں کسیں۔

دوسری طرف —— "جماعت" اور "تحریک" کا فرق
واضح فرما کر اپنے لئے بحیثیت قائد تحریک اسلامی ان اختیارات
کا مطالبہ کیا جو کسی حکومت کے سربراہ کو زمانہ جنگ میں حاصل
ہوتے ہیں۔

تیسری طرف انہوں نے یہ انکشاف فرمایا کہ توحید۔ معاد
اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر دین کے تمام احکام
میں لچک موجود ہے۔ اور تحریک اسلامی کے قائد کو یہ
حق حاصل ہے کہ وہ وقتی مصالح اور حکمت عملی
کے تحت دین کے احکام میں عارضی طور پر ردّ و
بدل کر دے —— اور چوتھی جانب انہوں نے
یہ فلسفہ پیش فرمایا کہ "واقعی" اور "کاغذی" شخصیتوں میں بڑا فرق
ہوتا ہے۔ ہم پر تنقید کرنے والے خبردار رہیں کہ ہم ان کی محبوب
ترین شخصیتوں تک کے کاغذی پیراہن اتار کر انہیں دکھلا سکتے

ہیں کہ وہ بھی ہم سے بہت کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔

اختلاف کرنے والے تو یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر مایوس ہوتے اور ایک ایک کرکے جماعت سے کٹتے چلے گئے، حتیٰ کہ جماعت اپنی "صف دوم" سے تقریباً محروم ہو کر رہ گئی۔ لیکن جماعت کے عام ارکان کچھ اس بناء پر کہ ان کا سارا علم و فہم خود اسی قائد تحریکِ اسلامی کا عطا کردہ تھا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ اور کوئی راستہ نظر نہ آ رہا تھا مجبوراً ان نظریات کو دل و دماغ میں اتارتے چلے گئے اور اس طرح ایک "نئی جماعت" وجود میں آئی جس میں ایک طرف تمام اختیارات امیر کی ذات میں مرتکز ہو گئے اور دوسری طرف صرف اسی کی فراست اور مصلحت بینی و حکمت عملی جماعت کی پوری پالیسی کا واحد منبع قرار پائی گویا دورِ جدید کی مذہبی آمریتوں میں ایک کا اضافہ ہو گیا۔"

(میثاق لاہور، جنوری ۱۹۶۷ء)

گذشتہ صفحات میں جماعت اسلامی سے نکلنے والے معتمدین کے بعض بیانات بھی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بیان کی پوری طرح تصدیق کرتے ہیں کیونکہ ان تمام

لے یہی موقف اختیار کیا کہ جماعت اسلامی جس اسلامی انقلاب برپا کرنیکے طریق کو پیش کرتی تھی اسے یکسر بدل دیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں جماعت کی اخلاقی اور دینی حالت انتہائی طور پر گر چکی ہے لیکن جناب مودودی صاحب جو انتہائی ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں کب ماننے والے تھے۔ انہوں نے فروری ۱۹۵۷ء میں اجتماع عام بہاولپور ڈویژن میں اپنے مسلک کو درست ثابت کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور ان اعتراض کرنے والوں کے متعلق کہا:-

"بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ تقسیم سے پہلے اس خود بخود تبدیلی کا کوئی نسخہ جماعت اسلامی کے پاس تھا جسے تقسیم کے بعد یہ جماعت گم کر بیٹھی ہے واقعہ یہ ہے کہ جس چیز کو وہ اس نوعیت کا نسخہ سمجھ بیٹھی ہے اسمیں تو نظام باطل کے خلاف کشمکش اور فاسد قیادت کو ہٹانے کی جدوجہد کا جزو پوری طرح شامل تھا"

(تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل ص۱۶۶)

جناب مودودی صاحب نے جن "بعض لوگوں" کی غلط فہمی کا ذکر کیا ہے وہ کوئی عام "متفقین" نہیں تھے بلکہ اولین صالحین اور جماعت کے سرکردہ افراد اور قائم مقام امیر تھے ان تمام نے جماعت سے نکلنے کی بنیادی وجہ یہی بیان کی کہ جناب مودودی صاحب نے ابتدائی طور پر جماعت کا جو لائحہ عمل پیش کیا تھا اب اسے یکسر تبدیل کر دیا گیا ہے اور جماعت کے اصلاحی

اور اخلاقی پروگرام کو ترک کر کے اسے سیاست کی خارزار وادی میں چھوڑ دیا ہے جسکی وجہ سے جماعت میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جسکی نشاندہی وہ دوسری سیاسی جماعتوں میں کرتے ہیں۔ جماعت کی اس حالت کے متعلق بہت صدائے احتجاج بلند کیا گیا مگر جناب مودودی صاحب نے بجائے اپنی روش بدلنے کے اپنی "مصالحانہ سیاست" سے ایسے افراد کو جماعت ہی سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کا ابتدائی بزورِ شمشیر انقلاب برپا کرنے کا مسلک کوئی حکومت برداشت نہیں کر سکتی اور لازماً انکو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا ہونگی۔ اس وجہ سے وہ جمہوریت کا نعرہ لگانے کیلئے مجبور ہوئے اور یہ امر اپنی جگہ بدستور قائم ہے کہ اگر پہلے صحیح صالح سوسائٹی قائم نہیں ہوگی تو اس "زہریلے دودھ" سے انکی مزعومہ صالح قیادت کس طرح جنم لیگی؟ گویا محض حالات کی مجبوری نے مودودی صاحب کو جمہوریت کا شیدا و متوالا بنا دیا اور آپنے یہی راگ الاپنا شروع کر دیا اور لوگ حیران تھے کہ جو شخص جمہوریت کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور مسلم اکثریت کے متعلق کہتا تھا کہ "یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے، وہ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں"۔ (مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۶۶) ایسی سوسائٹی سے صحیح اسلامی انقلاب کیسے جنم لے سکتا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ جماعت اسلامی کا جمہوریت کے متعلق مسلک حالات کی مجبوری کے تحت ہے جو انقلابات ہیں زمانے کے۔

جماعت اسلامی

کے

غیر اسلامی نظریات

جناب مودودی صاحب کے لٹریچر کا اگر تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جناب مودودی صاحب اور ان کے رفقاء اسلام کے نام پر بالکل ایک نئے مذہب فکر اور جداگانہ زاویہ نگاہ کے حامل ہیں۔ انہوں نے اسلامی حقائق کا مطالعہ خالصتہً اپنی عینک سے فرمایا ہے۔ اور اس کی تفصیلات کا کا نقشہ ان کی آزاد طبع کا رہین منت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اسلام کو جس صورت میں میں نے اپنے گرد و پیش کی مسلم سوسائٹی میں پایا میرے لئے اس میں کوئی کشش نہ تھی، تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے روح مذہب کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا جو مجھے میراث میں ملی تھی . . . . .

پس در حقیقت میں ایک نو مسلم ہوں خوب جانچ کر اور پرکھ کر اس مسلک پر ایمان لایا ہوں جس کے متعلق میرے دل اور دماغ نے گواہی دی ہے۔ میں غیر مسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اور اس دعوت سے میرا مقصد اس نام نہاد سوسائٹی کو باقی رکھنا اور بڑھانا نہیں ہے جو خود ہی اسلام

سے بہت دور ہٹ گئی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۴۲-۱۴۳ طبع اول)

اس "تجدد پسندی" کا افسوسناک نتیجہ اس رنگ میں رونما ہوا کہ اس کی آڑ میں آپ نے اسلام کے حقیقی خد و خال کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور اسے ایک "ازم" کی شکل دیدی ہے جو کمیونزم اور فاشزم سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اسلام کے نام پر بالکل غیر اسلامی نظریات کو اپنا لیا ہے۔ چونکہ آپ نے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس لئے بعض لوگ جو گہری نظر سے حقائق کے مطالعہ کے عادی نہیں ہوتے وہ ان کے اسلام کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نظریات ملک و ملت کے لئے سخت خطرناک ہیں اور انتہائی پُر فریب ہیں اس لئے ان کی حقیقت سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں جماعت اسلامی کے صرف چند نظریات کو بیان کرتے ہیں جو نہ صرف غیر اسلامی ہیں بلکہ ملک و قوم کے تمام طبقات کے لئے انتہائی مہلک اور تباہ کن ہیں

فرقہ بندی:۔ اسلام نے فرقہ بندی کی شدید مذمت کی ہے اور مسلمانوں کو گذشتہ امتوں کی مثال دیکر آگاہ کیا ہے۔

(۱) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا (آل عمران)

اے مسلمانو! تم غلط کار لوگوں کی طرح نہ بنو جو مختلف فرقوں میں

بٹ گئے۔

دوسری جگہ اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے :۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۔ (الانعام ع ۲۰)

کہ جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کر کے فرقوں میں منقسم ہو جائیں تو اے پیغمبر (صلعم) تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

(۳) سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتا ہے وہ سخت سزا کا مستوجب ہے۔ کیونکہ وہ بدترین جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں اس شخص کی بہت مذمت کی گئی ہے جو امت میں تفرقہ کی بنیاد رکھتا ہے اور ایک نیا فرقہ بناتا ہے اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی پیدا کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

جناب مودودی صاحب ایک الگ جماعت کی بنیاد رکھ کر اور مسلمانوں

اپنے مزعومہ معیار صالحین اور غیر صالحین میں منقسم کر کے فرقہ بندی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں جسقدر فرقے ظہور پذیر ہوئے وہ اسی رنگ میں پیدا ہوئے کہ ہر فرقے نے بظاہر اپنے آپ کو حق پرست اور حقیقی مسلمان گردانتے ہوئے دوسرے سے الگ جماعت بنالی۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بنانے سے قبل جناب مودودی صاحب نے ان فرقے بندیوں کو "جہالت کی پیداوار" قرار دیتے ہوئے لکھا تھا۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس فرقے بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک امت ہیں.... مگر حقیقت میں اس فرقے بندی کی بدولت اس امت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں........ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان بتوں کو توڑ دیجئے، ایک دوسرے کے بھائی بنکر رہئے اور ایک امت بن جائیے۔ خدا کی شریعت میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بناء پر اہل حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی وغیرہ الگ الگ امتیں بن سکیں۔ یہ امتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں اللہ نے صرف ایک امت "امت مسلمہ" بنائی ہے۔ (خطبات صفحہ ۱۲۸ ایڈیشن ۶۹ء)

لیکن ابھی صرف تین سال کا عرصہ گذرا تھا کہ جناب مودودی صاحب جس چیز کو جہالت کے نام سے موسوم کرتے تھے خود بھی اسی کے مرتکب ہوئے اور بجائے "اُمتِ مسلمہ" کے "جماعت اسلامی" کے نام سے الگ جماعت کھڑی کردی اور یہ دعوی کیا :-

- صرف ہماری جماعت پورے اسلام کو لیکر اٹھی ہے۔
- ہم اس ڈھنگ پر نظامِ جماعت بنا رہے ہیں جس پر رسول کریم اپنی جماعت تیار کی تھی۔
- ہمارے ہاں صرف وہ شخص بھرتی کیا جائے گا جو مقتضیاتِ دین کو پورا کرے گا۔ اس طرح مسلمانوں میں سے صالح عنصر چھٹ کر جماعت میں آتا جائے گا۔ اور جو جو صالح بنتا جائے گا اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔

ایسے کئی دعاوی کے بعد جناب مودودی صاحب نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ :-

"لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سرِ نو ایمان لاتا اور جماعتِ اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔" (روداد حصہ اول)

جناب مودودی صاحب نے امیر منتخب ہونے کے بعد نو مبائعین کے لئے از سرِ نو کلمہ پڑھنے کی ہدایت کی اور کہا :-

"میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے۔" (روداد صفحہ ۱۷)

اس تمام کارروائی کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب نے الگ فرقہ بندی کی ہے۔ اور اگرچہ مودودی صاحب اپنی جماعت کے ایک فرقہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن امتِ مسلمہ میں ایک الگ نام سے جماعت کو قائم کرنا اور اسے ہی صالح اور پورے اسلام کی نام لیوا قرار دینا اور اس کے بالمقابل تمام جماعتوں کو جہالت کی پیداوار قرار دینا اگر فرقہ بندی نہیں ہے تو کیا ہے ؟ خاص طور پر جب آپ اپنی جماعت کو پیغمبرانہ تحریک قرار دیتے ہیں تو لازمی امر ہے کہ وہ ایک الگ فرقہ ہو۔

خود جماعتِ اسلامی کا نام ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی جماعت سے باہر تمام کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسٹر زیڈ اے سلہری صاحب نے اپنے اخبار "ٹائمز آف کراچی" میں اپنے ایک اداریہ "اسلام کے نام پہ" میں تحریر فرمایا تھا :-

"ہمارے خیال میں ایک مسلم معاشرے میں کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ مختلف عناصر کو مجتمع کرنے کی غرض سے اسلام کے نام پر سیاسی جماعتوں کو معرضِ وجود

میں لائے خواہ ان جماعتوں کا پروگرام سماجی اور اخلاقی بہبود کے اسلامی مقاصد سے آراستہ کیا جاسکتا ہو۔

سیاست میں یہ عام بات ہے کہ سیاسی جماعتیں نکتہ چینی باہمی آویزش اور دشنام طرازی میں مصروف ہیں۔ انگلستان میں ٹوری جماعت سوشلسٹوں کو فتنہ پرداز، بدامنی پسند وغیرہ کا مورد قرار دے سکتی ہے۔ اور اس کے جواب میں قدامت پسندوں پر یہ طنز کی جاسکتی ہے کہ وہ شقی القلب سرمایہ پرست ہیں۔ اب بتائیے کہ جماعت اسلامی جیسی کوئی جماعت اسلام کا پرچم اٹھائے اپنے مخالفوں کو کس نام سے یاد کرسکتی ہے۔ یہی نا کہ جو لوگ جماعت کے حلقہ بگوش نہیں انہیں کافر، ملحد وغیرہ کے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں اس قسم کی اصطلاحات کا استعمال جماعت اسلامی کی جانب سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ اس جماعت کے ترجمانوں نے ان لوگوں کو اس قسم کے خطابات سے نوازا ہے جو موجودہ دستور میں ترمیم کے خواہشمند تھے۔ مسلم معاشرے میں ایسی صورت حال کی اجازت نہیں دی جاسکتی کسی شخص کو

یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کو کافر کہے۔ جماعت اسلامی ان اشخاص کو خارج از اسلام قرار دیتی ہے جو اسکے حلقۂ رکنیت میں داخل نہیں۔ اس نظریئے کی قانونی طور پر ممانعت کی جانی چاہیئے۔ لیکن یہ پابندی ان مذہبی تعلیمی اداروں یا جماعتوں پر عائد نہیں کی جانی چاہیئے جن کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ عوام کو اسلام اور اس کی قدروں سے روشناس کرایا جائے۔ ہمارا اعتراض صرف سیاسی جماعتوں کے متعلق ہے۔" (ٹائمز آف کراچی، دسمبر ۱۹۵۴ء)

یہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی نے مسلم معاشرے میں فرقہ بندی کے باعث ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے خلاف جید علماء نے فتاوی صادر کئے ہیں۔ جناب مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ان کی جماعت ہی پورے اسلام پر حاوی ہے اور باقی جاہل اور ناقص ہیں ایک صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو پورے اسلام پر ہی عمل پیرا سمجھتا ہے اور باقی کو غلط قرار دیتا ہے۔ یہی امر تو ان کے الگ فرقہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب اپنی جماعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ

اس طریقۂ کار کو ہم نے اختیار کیا ہے

اس ایک دعوت اور طریق کار کے علاوہ دوسری دعوتیں

اور طریق ہائے کار سراسر باطل ہیں۔" (روداد اسلامی حصہ سوم ص۱)

یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک باقی تمام جماعتیں باطل ہیں جب مودودی صاحب نے دوسری جماعتوں کو غلط کار سمجھتے ہوئے الگ جماعت کی بنیاد ڈالی تو بہر حال وہ ایک الگ فرقہ ہی شمار ہوگی۔ آخر تمام جماعتوں کے وجود پذیر ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کے بانیوں نے اپنے مسلک کو صحیح سمجھتے ہوئے دوسروں سے علیحدگی اختیار کی۔

غرض جناب مودودی صاحب اپنی الگ جماعت بنا کر فرقہ بندی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور یہ امر قرآن کریم کے ارشادات کے صریحاً خلاف ہے اور جو شخص قرآن کریم کے احکام کی خود پروا نہیں کرتا وہ کس طرح دوسروں پر قرآنی حکومت قائم کر سکتا ہے۔ سچ ہے سہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

قتل مرتد:۔ جناب مودودی صاحب صرف اپنی جماعت کو صالحین کی جماعت قرار دینے کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کے اسلام اور ایمان کے قائل نہیں ہیں۔ جماعت کی بنیاد رکھتے وقت ہی آپ نے فرمایا

"ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہئیے کہ وہ کس خارزار میں قدم رکھ رہا ہے۔ اور یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔ یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں"۔ (روداد حصہ اول ص۸)

چونکہ جناب مودودی صاحب اپنی جماعت کو صحیح اسلامی نظریات کی حامل گردانتے ہیں اس لئے اس سے پیچھے ہٹنا ان کے نزدیک ارتداد سے کم نہیں ہے۔ لیکن دیگر مسلم جماعتوں کو وہ اسلام سے عاری سمجھتے ہیں اور وہ محض برائے نام مسلمان ہیں اور ان کے علماء بھی اسلامی تعلیمات سے تہی دامن ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی دیگر جماعتوں اور علماء کے متعلق تحریر کرتے ہیں :۔

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقعہ اسلام کے معیار پر ان کے نظریات، مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماء دین و مفتیان شرح متین دونوں قسم کے راہنما

اپنے نظریئے اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں ...... ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۹۵)

اسی طرح فرماتے ہیں :۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ **باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے۔ اس لئے یہ مسلمان ہیں۔"**

(سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع اول ص ۱۱۵)

اس سے واضح طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ باقی فرقوں کی کیا پوزیشن سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کی جماعت کے سوا کوئی بھی حقیقی مسلمان نہیں ہے۔ اس تمام بحث کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جناب مودودی صاحب اپنے اسلام کی رو سے مرتد کی سزا قتل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" کتاب تحریر کی ہے۔ اور اس میں قرآن و حدیث سے اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب یہ امر واضح ہے کہ

جو فرد یا جماعت جناب مودودی صاحب کے اسلام سے نکل جائے تو اس کی سزا ان کے نزدیک قتل ہے کیونکہ وہ ارتداد کا مرتکب ہوا ہے۔ چونکہ کم و بیش یہی حال ہر فرقے کا ہے۔ اس لحاظ سے کسی ایک فرقہ کی حکومت انتہائی مہلک اور خطرناک ہے۔ اس سے ملک میں اسلام کے نام پر جو ایک صلح و آشتی کا مذہب ہے قتل و خون کا بازار گرم ہوگا۔ کیونکہ ایک دوسرے کے نزدیک سب مرتد اور کافر ہیں۔ چنانچہ اس قباحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پنجاب فسادات کی انکوائری کورٹ کے ججز نے اپنی عدالتی رپورٹ میں یہ تحریر فرمایا :

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ دیوبندیوں کا فتویٰ (E·X·D·E) جس میں اثنا عشری شیعوں کو مرتد قرار دیا گیا ہے اصلی ہے اور اس کی تصدیق دارالعلوم دیوبند کے دفتر سے ہو چکی ہے .... شیعوں کے نزدیک تمام سنی کافر ہیں اور اہل قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ طور پر کافر ہیں۔ اور یہی حال آزاد مفکرین کا ہے۔ اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سنی، دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں۔ اور اگر مملکت کی حکومت

ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو
کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو
بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت
میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی۔"

(تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص ۲۳۷)

پنجاب انکوائری کورٹ کے جج صاحبان نے مسلمان فرقوں کے باہمی اختلافات اور اس کے نتیجہ میں قتل کے فتاویٰ کی طرف جو اشارہ فرمایا ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ حقیقت ہے۔ گویا کسی ایک فرقہ کے ہاتھ میں اقتدار کی کنجیوں کا ہونا باقی تمام کی زندگیوں کے لئے پیغام موت ہے اور آج جس "اسلامی نظام زندہ باد" کے خوش آئند نعرہ سے ایک عام مسلمان اس کے عواقب پر غور کئے بغیر خوش ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ کل یہی امر اس کے لئے اور دیگر ہمنواؤں کے لئے پیغام موت سے کم نہیں ہے۔ اور اگر آج اس حقیقت کا تصور کی آنکھ سے جائزہ لیا جائے تو اس تمام نظارہ کا تصور ہی انسان کو لرزہ براندام کر دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اسلام سے بغاوت اور نفرت کے جو جذبات پیدا ہوں گے وہ ناگزیر ہیں گویا ان فرقوں میں سے کسی کا لایا ہوا "اسلامی نظام" درحقیقت ملک میں اسلام کے استحکام کی بجائے خود اسلام کے لئے خطرناک ہے۔ کیونکہ

اس کے نتیجہ میں جو کم و بیش اسلام کی محبت عوام الناس میں پائی جاتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ یہی ڈرامہ یورپ کے "تاریک زمانہ" میں کھیلا جا چکا ہے۔ ان کے مختلف راہنمایانِ مذاہب کے نزدیک بھی عیسائیت سے ارتداد کی سزا قتل تھی اور عیسائیت سے مراد وہ عیسائیت تھی جو ان کے مکتب خیال کے مطابق تھی۔

غرض یہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی ایک فرقہ ہے۔ اور اس کے بانی جناب مودودی صاحب اپنی جماعت کے صالحین کے سوا باقی تمام کو مسلمان نہیں سمجھتے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے تو وہ تمام مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اپنی اسی اسکیم کا اظہار آپ نے خود ایک سوال کے جواب میں فرما دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

پہلے اسلام کو جو کچھ وہ ہے اور جو کچھ انسان سے اس کے مطالبات ہیں واضح طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا جائے اور ان سے شعوری طور پر اسے قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے پھر جو لوگ اسے جاننے اور سمجھنے کے بعد قبول کریں اور اپنے طرز عمل سے ثابت کریں کہ واقعی انہوں نے اسے قبول کیا ہے ان کو ایک پارٹی کی صورت میں منظم کرنا

شروع کیا جائے اور باقی مسلمانوں میں مسلسل تبلیغ وتلقین کا سلسلہ اس ارادہ کے ساتھ جاری رکھا جائے کہ بالآخر ہمیں اس پارٹی میں پوری قوم کو جذب کر لینا ہے۔" (رسائل و مسائل حصہ اوّل صفحہ ۳۵۳)

گویا جناب مودودی صاحب چونکہ اپنی جماعت کو "حقیقی اسلام کا علمبردار" سمجھتے ہیں اور باقی تمام جماعتوں کو "جاہلیت کی پیداوار" گردانتے ہیں۔ اس لئے وہ تمام جماعتوں کا اپنی جماعت میں مدغم ہونا ناگزیر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہر مسلم جو ان کے بیان کردہ "طرز عمل" کے مطابق اپنے آپ کو نہ ڈھالے وہ ان کے نزدیک ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ آج وہ مختلف مسلم جماعتوں کو وقت کی مصلحت کے پیشِ نظر یہی یقین دلا رہے ہیں کہ وہ تمام کلمہ گو مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان کے عزائم کی عکاسی ان کی تحریرات سے ہوتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کو جو ان کی جماعت میں شامل نہیں ہے ہرگز مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ وہ محض نسلی مسلمان ہے جو ایک نسلی غیر مسلمان کی ہی صف میں کھڑا ہے اسے صحیح رنگ میں مسلمان بننے کے لئے لازمی ہے کہ وہ جماعت اسلامی میں شامل ہو جائے تبھی وہ اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اور جو شخص پھر ان کے دائرہ اسلام سے نکلنے کی کوشش کرے گا اس کا انجام یہی ہے کہ اس کا

سر تلوار سے کاٹ پھینکا جائے۔ چنانچہ ایسے اسلامی انقلاب کے برپا ہو جانے کے بعد اپنے خطرناک عزائم کو خود ہی طشت ازبام فرماتے ہیں:-

"جس علاقے میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیدیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے مسلمان سمجھا جائیگا. تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا. اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کی جائے کہ جسقدر مسلمان زادوں اور مسلمان زادیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جاسکتا ہے بچالیا جائے۔ پھر جو کسی طرح نہ بچائے جاسکیں انہیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنی سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے۔"

اوراس عملِ تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی
کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر
راضی ہوں۔" (مرتد کی سزا ص۵۷)

قطع نظر اس امر کے کہ ارتداد کی سزا اسلامی قانون کی رو سے کیا ہے یہ امر قابل غور ہے کہ اگر ہر مسلم فرقہ جو دیگر فرقوں کو کافر اور ضال قرار دیتا ہے اس کے ہاتھ میں اقتدار کو سونپ دیا جائے تو کیا وہ باقی تمام فرقوں کو تہ تیغ کر دے گا یا زبردستی اپنے فرقہ میں ان کو شامل کرے گا؟ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جماعت اسلامی یہی چاہتی ہے کہ اس مسئلہ کی آڑ میں تمام دیگر فرقوں کو نوٹس دیدے کہ یا تو وہ جماعت کے سایہ تلے آجائیں کیونکہ ان کے نزدیک اعتقاداً اور عملاً صحیح اسلام کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ اور یا پھر وہ موت کے گھاٹ پر اترنے کیلئے تیار ہو جائیں؛

؎ انگور کی شراب کا پینا حرام ہے
انسان کا لہو پیو اذنِ عام ہے

یہی وجہ ہے کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ پاکستان میں جہاں بیسیوں مسلم فرقے پائے جاتے ہیں اسلام کے نام پر کسی سیاسی جماعت کا وجود انتہائی خطرناک ہے کیونکہ ہر ایک فرقہ

اپنے تئیں حق پر خیال کرتا ہے۔ جیسے اس وقت ملک میں مسلم لیگ کے نام سے کئی جماعتیں بن گئی ہیں اور ہر ایک یہی دعویٰ کرتی ہے کہ وہی حقیقی مسلم لیگ ہے اور باقی تمام حضرت قائداعظم کے مسلک سے ہٹ گئی ہیں۔ بعینہٖ اس وقت اسلام کے نام پر جو جماعتیں کام کر رہی ہیں ان میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرتی ہے کہ وہ حقیقی اسلام پر مشتمل ہے اور باقی تمام گمراہ ہیں بلکہ مرتد اور کافر ہیں۔ اسلئے اگر سیاست میں دخل اندازی ہوگی اور کسی ایک فرقہ کے ہاتھ میں اقتدار آجائے تو یقیناً باہمی کشمکش امن کی حدود سے نکل کر خانہ جنگی کی صورت اختیار کرے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ یہ ہے کہ کسی ایک فرقہ کو دوسرے فرقوں کے مخالف اقتدار پر قابض ہو کر دوسروں کو حکومت کے بل بوتے پر اپنا ہم خیال بنانے میں جبر سے کام لینا نہیں چاہیئے۔ یہی اسلام کا سماجی مزاج ہے

جہاد کا مادی تصوّر

جہاد اسلام کا مقدس حکم ہے۔ اور اس کا مفہوم یہی ہے کہ دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے اپنے نفس کی اصلاح کی جائے اور نفسِ امارہ کے خلاف ہر ممکن جہاد کیا جائے۔ تاکہ عملی کردار دوسروں

کی کشش کا باعث ہو۔ جیسا کہ سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپسی پر فرمایا۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

"یعنی لڑائی کے چھوٹے جہاد سے اب ہم بڑے جہاد یعنی اصلاح نفس کی طرف لوٹ رہے ہیں"۔ گویا نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے۔ پھر اسلام اور قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرنا جہاد کبیر ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

جاهدهم به جهادا كبيرا

(فرقان ع۵)

یعنی اے نبی تو ان کفار کے ساتھ اس قرآن کریم کے ذریعہ جہاد کبیر فرما۔ اور سب سے چھوٹا جہاد لڑائی کا جہاد ہے۔ جو دشمن کے حملہ آور ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے گویا دشمن کی جارحانہ اور معاندانہ حرکات کے خلاف مدافعانہ طریق اختیار کرنا جہاد اصغر ہے۔

قرآن و سنت میں جہاد کی یہی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ مگر

جناب مودودی صاحب نے جہاد کو بھی اپنی سیاسی آنکھ سے دیکھا ہے اور اسی رنگ میں اس کی حقیقت بیان کی ہے۔ چونکہ آپ کے دماغ پر یہی بھوت سوار ہے کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ بغیر حکومت کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ نے تمام اسلامی عبادات کے روحانی پہلو کو چھوڑ کر یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ درحقیقت پریڈ PARADE ہے جس کے ذریعہ سے حکومت کی فرمانروائی حاصل ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:-

یہ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج دراصل اس تیاری اور تربیت کے لئے ہیں جسطرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج، پولیس اور سول سروس کیلئے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر ان سے کام لیتی ہیں۔ اسطرح اللہ کا دین (اسلام) بھی ان تمام آدمیوں کو جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں پہلے خاص طریقے سے

بیان کیا گیا ہے۔

ل تاج العروس میں امام راغب کے حوالے سے (۲) مقابلہ کرنا

جہاد کی تین قسمیں ہیں (۱) عدو ظاہری کا پوری کوشش سے

شیطان کے مقابلہ میں اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا (۳) نفس سے جنگ میں پوری کوشش سے کام لینا

تربیت دیتا ہے پھر ان سے جہاد اور حکومتِ الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے ۔“ (خطبات ص۳۱۵)

اسلام کی روحانی تعلیمات کی یہ خشک اور مادی تعبیر جناب مودودی صاحب کا ہی حصہ ہے ۔ گویا عبادات جو خالق و مخلوق کے مابین ایک روحانی رشتہ کو استوار کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے اسے بھی حصول اقتدار کا ذریعہ تصور کیا جائے ۔ اس پس منظر میں جہاد کا مفہوم آپ کے نزدیک گویا وہ انتہائی مقام ہے جبکہ صالحین حصولِ اقتدار کے لئے پل پڑتے ہیں ۔ اور دوسروں سے اقتدار چھین کر اس پر خود قابض ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

”جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلق خدا کی اصلاح کے لئے اٹھو ، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو ، ناخدا ترسی اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو اور بندگانِ خدا کی رہنمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق آخرت کی ذمہ داری و جواب دہی کا اور خدائے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حکومت کے معاملات انجام دو

اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے“

(خطبات ص۳۱۴ - ۳۱۳)

اور فرماتے ہیں :-

”اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے صالح بندے ہو ۔ لہذا آگے بڑھو لڑکر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو ۔“

جناب مودودی صاحب کے ذہن میں چونکہ حصول اقتدار کا نشہ اسقدر سوار ہے کہ آپ نے اس کا جواز ثابت کرنے کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی انقلابی لیڈر قرار دیا ہے فرماتے ہیں :-

”اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر ہیں ۔“ (جہاد فی سبیل اللہ ص۳۰۹)

یہ صحیح ہے کہ انبیاء ایک روحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں نہ کہ حصول اقتدار کے لئے اور دوسروں کو بے دخل کر کے خود قابض ہونے کے لئے وہ لڑائیاں مول لیتے ہیں ۔ درحقیقت جناب مودودی

صاحب کے ذہن میں عصرِ حاضر کے وہ انقلابی لیڈر ہیں کہ جنہوں نے اپنے ملک میں حکومت پر قابض ہونے کے لئے انقلابی پارٹیاں تیار کیں اور وہ انقلابی قائدین کہلائے۔ جیسے لینن، ہٹلر اور مسولینی وغیرہ۔ اسی طرح آپ انبیاء کے جہاد کو بھی نعوذ باللہ من ذلک حصول اقتدار کی کوشش سے موسوم کرتے ہیں۔ اگر انبیاء کا یہی مطمح نظر تھا تو پھر جو انبیاء دوسرے حکام کے زیر نگیں رہے اور ان کے قوانین کی پابندی کرتے رہے ان کے متعلق جناب مودودی صاحب کیا حکم صادر فرمائیں گے؟ کیا وہ جہاد کے منکر تھے یا اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کرنے والے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات تو کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ ان کے ارشادات میں کوئی ایسا بھی حکم ہے کہ انہوں نے اپنے حواریوں کو رومی حکومت کے خلاف جہاد کی ترغیب دی ہو بلکہ وہ تو یہی فرماتے رہے:۔

"جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔"

(متی ۲۲/۲۱)

اصل بات یہ ہے۔ کہ جناب مودودی صاحب دین اسلام کو بھی دیگر ادیان کی طرح سمجھتے ہیں۔ جیسے ہر ایک ازم کا پیروکار حصولِ اقتدار کی ہوس اور تڑپ رکھتا ہے۔ تاکہ اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اسی طرح

ان کے ذہن میں بھی یہی بات سمائی ہوئی ہے کہ دین اسلام بغیر حکومت کے قابلِ عمل نہیں ہے۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں:۔

"یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دین خواہ کوئی سا بھی ہو لا محالہ اپنی حکومت چاہتا ہے دین جمہوری ہو یا دین بادشاہی ہو، دین اشتراکی ہو یا دینِ الٰہی یا کوئی اور دین، بہر حال ہر دین کو اپنے قیام کے لئے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو۔"

(خطبات صـ۳۳)

حالانکہ خدا تعالیٰ کے دین اور دنیا کے بنائے ہوئے ادیان میں یہی فرق ہے کہ اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ع۴)

یعنی کہدے کہ یہ اسلام تمہارے رب کی طرف سے حق ہے جو چاہے اس ہدایت پر ایمان لائے اور جو چاہے اس کا انکار

کردے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لا اکراہ فی الدین (بقرہ ع ۳۴)

یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔

اس لئے تمام انبیاء مبشر اور واعظ ہوتے ہیں۔ اور ان کی جماعتیں بھی مبشرین اور واعظین کی جماعتیں ہوتی ہیں۔ مگر مودودی صاحب اسلام کو بھی اشتراکیت اور فاشیت کی طرح ایک آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) تصور کر کے عین قرآن و سنت کے خلاف فرماتے ہیں:-

"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین (PREACHERS) اور مبشرین (MISSIONERIES) کی جماعت نہیں ہے بلکہ **خدائی فوجداروں کی جماعت ہے۔** (لتکونوا شہداء علی الناس) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد بداخلاقی، طغیانی اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹادے اور ارباب من دون اللہ کی خداوندی کو ختم کردے۔ بدی کی جگہ نیکی قائم کرے .... لہٰذا اس **پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی** چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد حکومت

کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے اور ایک صالح نظام تمدن اس وقت تک کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے۔"

(جہاد فی سبیل اللہ تقریر جناب مودودی صاحب ۱۹۳۹ء)

حالانکہ خدا تعالیٰ حضرت سید فخر ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے:-

لست علیہم بمصیطر

یعنی تو لوگوں پر خدائی فوجدار بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

مگر مودودی صاحب تبلیغ اور وعظ و تلقین کو لاحاصل سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "الجہاد فی الاسلام" میں رحمۃ للعالمین سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحریر فرمایا:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ وعظ و تلقین کا جو موثر سے موثر انداز ہو سکتا تھا اسے اختیار کیا مضبوط دلائل دیئے، واضح حجتیں پیش کیں فصاحت و بلاغت اور زور خطابت سے دلوں کو گرمایا۔ اللہ کی جانب سے محیر العقول معجزے دکھائے .... لیکن قوم نے آپ کی دعوت قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ جب وعظ و
تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں
تلوار لی۔۔۔۔۔۔۔ تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی و
شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا طبیعتوں سے
فاسد مادے خود بخود نکل گئے۔ دلوں کی کثافتیں
دور ہوگئیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ آنکھوں سے پردہ
ہٹ کر حق کا نور صاف عیاں ہوگیا۔ بلکہ گردنوں میں وہ
سختی اور سروں میں وہ نخوت بھی باقی نہ رہی جو ظہور حق کے
بعد انسان کو اس کے آگے جھکنے سے باز رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کر دیا ان حکومتوں کے
تختے الٹ دیئے جو حق کے دشمن اور باطل کی پشت پناہ تھیں"

(الجہاد فی الاسلام صفحہ ۱۳۷)

لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے الجہاد فی الاسلام کے متعلق سلسلہ مضامین سوامی شردھانند کے ایک مسلمان کے ہاتھوں قتل پر گاندھی جی کے ان ریمارکس کے جواب میں شروع کیا تھا۔

"اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے۔"

قارئین مندرجہ بالا اقتباس پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ گاندھی جی کے نظریہ کی کہاں تک تردید ہوئی ہے؟ پھر یہی الزام ازمنہ وسطی کے پادری صاحبان اور زمانہ حال کے مغربی منکرین اسلام کے خلاف لگاتے چلے آئے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور[1] سے ہوئی۔

درحقیقت جناب مودودی صاحب کے خیالات میں انقلاب تدریجی طور پر ہوا ۱۹۲۵ء میں جب وہ "الجمعیت" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے تو آپ نے اسلام کا سرچشمہ قوت، دعوت حق اور تبلیغ بتایا تھا۔ اور آپ نے اشاعت اسلام کی مختلف ممالک میں تاریخ بھی قسط وار تحریر کی جس میں مبلغین اسلام کے اکناف عالم میں تبلیغی کارناموں کے بیان کرنے سے قبل فرماتے ہیں:۔

"اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ اس کی اشاعت تلوار کی رہین
منت ہے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ وہ صرف تبلیغ کی
منت پذیر ہے۔ اگر اس کی زندگی تلوار پر ہی منحصر
ہوتی تو وہ تلوار ہی سے فنا بھی ہو جاتی اور اب تک

---

[1] مستشرقین یورپ نے بھی اعتراض اپنی کتب میں اسلام پر عاید کیا ہے۔ چنانچہ جناب اعظم یار جنگ نے اپنی کتاب "تحقیق الجہاد" میں ان مستشرقین کے

تلوار سے اس پر جتنے حملے ہوئے ہیں وہ اسے فنا کر دینے میں قطعاً ناکامیاب ہو جاتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات اس نے تلوار سے مغلوب ہو کر تبلیغ سے فتح حاصل کی۔

(اسلام کا سرچشمہ قوت صفحہ ۱۷)

اس کے بعد آپ نے الجہاد فی الاسلام کے متعلق مضامین تحریر کئے جن کی ابتداء تو صحیح طور اٹھائی مگر آگے چل کر جہاد کے دفاعی مفہوم کو جارحیت کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور اسلام کی اصل قوت تلوار کو ہی بیان کر دیا۔

آپ کے رشحات قلم کا زور اس امر پر رہا کہ خدا تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے حکومت پر جس طرح ممکن ہو قبضہ حاصل کرنا لازمی ہے ورنہ اسلام کے تقاضے درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ لیکن آپ نے اس امر پر روشنی نہ ڈالی کہ گذشتہ تیرہ سو سال میں امت محمدیہ میں وہ کونسے

بقیہ حاشیہ:۔ حوالہ جات درج کئے ہیں۔ ڈوزی لکھتے ہیں:۔

"محمدؐ کے جنرل ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر تلقین کرتے تھے۔"

اسی طرح باسورتھ اسمتھ لکھتے ہیں:۔

"آپ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر مختلف اقوام کے

مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے حکومت پر قبضہ کر کے ہی دین اسلام کی ترویج و تطہیر کو ضروری سمجھا ہو اور وہ جہاد کا مفہوم یہی سمجھتے ہوں جو آج جناب مودودی صاحب بیان کر رہے ہیں۔

حصولِ اقتدار اور اشتراکی طریق کار:۔

جناب مودودی صاحب کے قتل مرتد اور جہاد کے متعلق نظریات کے سلسلہ میں ہم یہ امر بیان کر آئے ہیں کہ جماعت اسلامی اپنے سوا کسی کو راہ راست پر گامزن نہیں سمجھتی اور یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح وہ حکومت پر قابض ہو جائے اور پھر وہ تمام کو باسانی اپنا حلقہ بگوش بنا سکتی ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی حصول اقتدار کے جن طریقوں کو اختیار کرنا جائز سمجھتی ہے ان کو اسلام سے دور کا بھی

بقیہ حاشیہ نمبر ۱:۔ پاس جاتے ہیں"۔

"جارج سیل" جنہوں نے قرآن کریم کا بھی ترجمہ کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"جب آپ کی جمعیت بڑھ گئی تو آپ نے دعویٰ کیا کہ مجھے ان پر حملہ کرنے کا اور بزور شمشیر بت پرستی مٹا کر دین حق کے قائم کرنے کی اجازت من جانب اللہ مل گئی ہے"۔

جو اعتراض معاندین اسلام اپنی بدباطنی اور ذاتی تعصب کی بنا پر اسلام پر عاید کرتے رہے اور علماء اسلام اس کی واشگاف الفاظ میں تردید کرتے رہے

واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہو بہو کمیونسٹ طریقوں کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔ جناب مودودی صاحب کا سب سے بڑا "کارنامہ" یہی ہے کہ انہوں نے حصول اقتدار کے کمیونسٹ طریقوں کو زود اثر پاکر بزعم خود انہیں اسلام کا نام دیدیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو ظاہر تو اسلام کا علمبردار کرتے ہیں لیکن حصول اقتدار کے انہیں طریقوں کی تلقین کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو کمیونزم کا طرۂ امتیاز ہیں۔

مثال کے طور پر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کمیونزم کے ماننے والے معاشی تفریق کے خلاف آواز اٹھانے یا اس کے لئے آئینی جدوجہد کرنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ غریبوں کو امراء کے خلاف اشتعال دلاکر انہیں بغاوت پر اکساتے ہیں اور تشدد کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کرنے کو اپنی انقلابی جدوجہد کا نقطۂ آغاز تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ روس کا مشہور ڈکٹیٹر مارشل اسٹالن اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:-

> "یعنی   کی سماجی آمریت اور سیاسی اقتدار پر بالجبر قبضہ وہ اولین قدم ہے جس سے اشتراکی انقلاب کا آغاز ہونا چاہیئے۔" (STALIN IS KAMPF PAGE 45)

ظاہر ہے اس میں کسی قسم کی آئینی جدوجہد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ صاف اور واضح الفاظ میں آغاز کار ہی بغاوت کے ذریعہ حکومت

پر زبردستی قبضہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مودودی صاحب بھی اسلامی جہاد کو جس کی حیثیت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یکسر دفاعی قرار دی ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے جارحانہ ثابت کرنے کے بعد بعینہٖ یہی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ صالح بندوں کو خدا رسول اور اسلام کے نام پر مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> "خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو نا خدا ترس اور **شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو۔"** (از خطبات ص ٢٠٣)

کہا جا سکتا ہے کہ قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار "شتر بے مہار" قسم کے لوگوں سے آئینی طریقوں پر بھی چھینا جا سکتا ہے۔ اور یہ کیا عجب ہے کہ جناب مودودی صاحب کے ذہن میں بھی صرف آئینی جدوجہد ہی ہو لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ اس قسم کی خوش فہمی کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے چنانچہ اسی مضمون میں آگے چل کر یہ بھی بتاتے ہیں کہ صالح بندے یہ

بقیہ حاشیہ نمبر ١ - آج جناب مودودی صاحب انہی دشمنوں کے اتہامات کو درست ثابت کر رہے ہیں اور اس طرح ان کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اقتدار کس طرح چھینیں وہ لکھتے ہیں :-

"اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو لہٰذا آگے بڑھو لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کردو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو" (خطبات ص۲۰۵)

اس سے ظاہر ہے کہ سٹالن جس طرح اشتراکی انقلاب کے لئے یہ ضروری خیال کرتا ہے کہ موقع ملتے ہی سیاسی اقتدار پر بالجبر قبضہ کر لیا جائے۔ اسی طرح جناب مودودی صاحب کے نزدیک بھی نعوذ باللہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ خواہ مخواہ جنگ کر کے صاحبانِ اقتدار سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لیا جائے۔ اس بارے میں مودودی صاحب ملکی اور غیر ملکی یا قومی اور اجنبی کی تفریق بھی روا رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے اپنے نظریات کے مطابق اگر کوئی حکمران یا صاحب اقتدار طبقہ اسلام پر پوری طرح عامل نہیں ہے تو وہ بھی غیر ملکی حکمرانوں کی طرح فرمانروائی کا حق نہیں رکھتا اور اس قابل ہے کہ خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے لڑ کر اسے حکمرانوں کے حق سے بے دخل کر دیں۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ اسلام حکومت کے معاملے میں

قومی اور اجنبی کو کوئی تمیز نہیں کرتا، بلکہ عدل اور ظلم کو وجہ امتیاز قرار دیتا ہے۔ اگر ایک ملک کی حکومت خود اس کے اپنے باشندوں کے ہاتھ میں ہو لیکن اس کے حکمران بدکار، ظالم، نفس پرست اور ناخدا ترس ہوں تو اسلام کی نگاہ میں **وہ اسی قدر نفرت کے قابل ہیں جس طرح وہ ایک اجنبی حکومت کے ایسے ہی بدکردار عمال ہو سکتے ہیں۔"**

(الجہاد فی الاسلام ص۱۱۴)

آئیے اب اس سوال پر غور کریں کہ مارشل سٹالن اور جناب مودودی صاحب اپنی اپنی جگہ اشتراکی انقلاب اور نام نہاد ...... اسلامی انقلاب کے لئے آغاز کار کے طور پر حکومت پر بالجبر قبضہ کو کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ کسی مسلک کی محض زبانی تلقین دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتی۔ زبانی وعظ و نصیحت کا انسانی ذہن پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو محض چند ایک اشخاص پر اور اسکی حیثیت بھی بسا اوقات عارضی ہوتی ہے۔ اسی لئے ان انقلابی حضرات کے نزدیک ضروری ہے کہ تلوار ہاتھ میں لے کر پہلے حکومت پر قبضہ جمایا جائے اس کے بعد لوگ خود بخود اس مسلک کو قبول کر لیں گے جس مسلک کو پھیلا کر انہیں بام عروج پر پہنچانا مقصود ہو۔ چنانچہ مارشل سٹالن روس کے عظیم اشتراکی رہنما

لینن کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"پہلے اقتدار پر بالجبر قبضہ کر کے ایسے حالات پیدا کرو کہ جس میں پرولتاریہ کو تربیت دیکر انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکے بعد ازاں تم مزدور عوام کی سماجی اور ثقافتی حالت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں برق رفتاری سے کام کر سکو گے اور مزدوروں ہی میں سے مختلف اہلیت کے لیڈر اور نظم و نسق چلانے والے افسر آ سکیں گے۔"

(از کتاب لینن ازم صفحہ ۲۲-۲۴)

خالصتاً بے دین اشتراکی انقلاب" کے نام پر مارشل سٹالن نے جو بات کہی تھی اور جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے مودودی صاحب بھی اس مخصوص انقلاب کی خاطر جو ان کے مدنظر ہے بعینہ یہی بات کہتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں بظاہر خالص دینی انقلاب کے نام پر کہتے ہیں اور ایسے خود ساختہ دینی انقلاب کے نام پر کہتے ہیں۔ جو فی الحقیقت سراسر صلح و آشتی اور امن و امان سے عبارت ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب خطبات صفحہ ۲۵۱ پر لکھتے ہیں:-

"اصلاح خلق کی کوئی سکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اسکے

لئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے اسے اٹھنا چاہیئے اور غلط اصولوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔"

روس کے مشہور کمیونسٹ ڈکٹیٹر مارشل سٹالن آنجہانی اور جناب مودودی صاحب کی تصانیف سے ہم نے جو حوالہ جات نمونۃً اوپر نقل کئے ہیں۔ اگر انہیں ایک ساتھ رکھ کر پڑھا جائے تو دونوں طریق کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ترجمانی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے اول الذکر بالبداہت ایک لادینی تحریک کا قائد تھا۔ جس کے نزدیک حصولِ اقتدار کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے فتنہ و فساد، ظلم و تشدد اور حیلہ و فریب سے کام لینا از حد ضروری ہے۔ برخلاف اس کے موخر الذکر "انقلابی لیڈر" کہتے تو لفظ بہ لفظ وہی ہیں جو بے دین لیڈر نے کہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے آپ کو ایک زبردست دینی تحریک کا علمبردار ظاہر کرتے ہیں۔ اور مختلف ادیان میں سے بھی اس دین کا جس کا فتنہ و فساد، ظلم و تشدد اور حیلہ و فریب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جو دین کے نام پر دفاع کے لئے بھی اس وقت تک تلوار ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ جب تک اس دین کے نام لیواؤں پر عرصہ حیات تنگ کر کے انہیں ہجرت پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ اور پھر جہاں وہ پناہ لیں وہاں بھی انہیں

چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے ۔ ان حوالوں کو ایک ساتھ پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کہاں تشدد کے بل پہ قائم ہونے والی اشتراکی ڈکٹیٹر شپ کا علمبردار اور کہاں اسلام جیسے صلح و آشتی کے مذہب کی طرف منسوب ہونے والی ایک مزعومہ تحریک کا قائد العجب، ثم العجب دونوں حصولِ اقتدار کی خواہش اور اس کے طریق کار کے لحاظ سے ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ دونوں کا ذہنی اعتبار سے باہم دگر ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی انقلاب کے خود ساختہ انقلابی لیڈر جناب مودودی صاحب نے کمیونسٹ طریقوں کو اپنا کر ان پہ بے چارے "اسلام" کا لیبل لگایا ہے اور یہ ظلم انہوں نے اسلام پر اپنے ہاتھ سے دیدہ و دانستہ ایسا کیا ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح انہوں نے دشمنانِ اسلام کی تائید کی ہے جنہوں نے اسلام کو ظلم و تشدد کا مذہب ثابت کرنے میں دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے ہیں۔

* * * * *

حرفِ آخر

جماعت اسلامی کے گذشتہ تقریباً تیس سالہ دورِ حیات کے تاریخی کردار کا تدریجی اور تنقیدی جائزہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ جماعت کا آغاز محض دینی اور خالص اسلامی اغراض کے نقطہ نظر کیا گیا تھا اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ جو نتائج ایک پیغمبرانہ تحریک کے ہوتے ہیں وہی اس کے بھی ہوں گے ۔ اور بہت جلد ایک انقلاب رونما ہو گا ۔ لیکن یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا بلکہ جماعت کی تاریخ شاہد ہے کہ اس غرض کے لئے جس طریق کار کو اختیار کیا گیا اس میں ناکامی و نامرادی ان کے شاملِ حال رہی جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ بنیادی طور پر اس جماعت کی تشکیل میں ایسی خرابی موجود ہے جو ان کے حقیقی دینی جماعت ہونے کے منافی ہے اور جو انکی کامیابی کی راہ میں سدِ راہ ہے ۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

اگرچہ جماعت نے اپنا مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام بنا رکھا ہے لیکن جماعت نے اس کے قیام کے لئے جو "طریق" اختیار کیا ہے وہ بالکل غیر فطری اور غلط ہے ۔ آج تک کبھی اسلامی اور دینی حکومت کا قیام اس رنگ میں نہیں ہؤا کہ ایک جماعت اپنے مزعومہ اور موہومہ نظریات کو عین خدائی سمجھنے لگ جائے اور پھر وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہو جائیں ۔ حکومت الٰہیہ کے قیام میں مادی نظاموں کی پیوند کاری کبھی کام نہیں دے سکتی بلکہ درحقیقت ان کا اپنا مخصوص مزاج اور ماحول ہوتا

ہے اور اس کے بغیر ان کا وجود بابرگ و بار نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں جماعت اسلامی کی بنیادی خامی یہی ہے کہ اس نے سیاست کو دین پر مسلط کر دیا ہے حالانکہ یہ تو درست ہے کہ دین سیاست پر بھی حاوی ہے اور دین اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی کرتا ہے لیکن یہ غلط ہے کہ سیاست کو ہی دین کے قیام کا ذریعہ سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ جماعت اسلامی اس فرق کو خلط ملط کر رہی ہے۔ وہ علامہ اقبال کے اس شعر کو پیش کرتی ہے ؛

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اور اس شعر کو فراموش کر جاتی ہے کہ علامہ مرحوم نے یہ بھی فرمایا تھا :

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو

حالانکہ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسلام نے جو سیاست کے اصول مبنی بر تقویٰ عطا کئے ہیں اگر انکو نظر انداز کر دیا جائے تو چنگیزی رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ آجکل کی میکاویلی سیاست مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس لئے دین کو سیاست پر حاوی کرنا اہل علم حضرات کا فرض ہے۔ لیکن اگر اہل علم حضرات سیاست کو دین پر حاوی کرنے لگ جاویں اور صاحب اقتدار کے آلہ کار یا خود اقتدار پسند بن جائیں اور اسلام کے نام پر پارٹی بازی شروع کر دیں تو تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ایسی سیاست سراسر دین کے خسران کا موجب ہے اور اس کے نتیجہ میں کبھی بھی دین کو سرسبزی نہیں ہوتی بلکہ قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ از منہ وسطیٰ

میں عیسائی فرقوں کی مثال بڑی واضح ہے جبکہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اقتدار کی خاطر باہم دست و گریبان رہے کیونکہ جو بھی فرقہ برسر اقتدار آجاتا تو دوسرے فرقہ کے ماننے والوں کو مٹانے کے لئے ہر سفاکی کو جائز سمجھتا اور دونوں کے پادری ایک دوسرے کو کافر اور واجب القتل قرار دے دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ مغرب میں شعور پیدا ہوا اور مذہب کے نام پر خونریزی کا یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوا۔ بعینہٖ اس وقت پاکستان میں مختلف مذہبی جماعتیں سیاست میں دخیل ہیں اور اسلامی نظام کے نعرے بلند کر رہی ہیں۔ لیکن یہ "اسلام پسند گروپ"[1] شدید متحارب گروپوں میں منقسم ہے اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ اس نعرہ سے عوام کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی ایک فرقہ کا قائم کردہ اسلامی نظام دوسرے فرقوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہر ایک کے نزدیک اسلامی نظام کی تعبیر مختلف ہے۔ ہر ایک اپنے کو ناجی اور دوسرے کو ناری کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عناصر اکٹھے ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جہاں بھی ان کے مصنوعی اتحاد کی کوشش کی گئی ناکام ہوئی اور باہمی تلخی میں اضافہ کا باعث ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی ایک گروہ کا پیش کردہ اسلامی نظام دوسرے کیلئے قابل قبول نہیں ہے اور اس طرح پر اسلام کے نام پر اختلافات کی خلیج کا وسیع ہونا لازمی امر ہے۔ جو ملک و قوم اور سب سے

---

[1] یہ اصطلاح بھی خوب ہے، حالانکہ ایک غیر مسلم بھی اسلام پسند ہو سکتا ہے

ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ اصل امر یہی ہے کہ یہ اتحاد غیر فطری ہے اور ان میں سے کوئی "دینی عالم" اپنے نظریات سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ جناب مودودی صاحب ملک میں صرف اسلامی نظام چاہتے ہیں اور اقتدار کے درپے نہیں ہیں تو کیا وہ کسی دوسرے عالم کی سربراہی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اصلی وجہ یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اسلامی نظریات اور ان کے حصول کے طریق کار دوسروں سے ہر اعتبار مختلف ہیں۔ بلکہ اسلام پسند جماعتوں کو یہ جائز شکایت ہے کہ ان کے اتحاد میں روک ہی جماعت اسلامی ہے۔ الغرض یہ وقت ہے کہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ جماعت اسلامی ایک فرقہ اور گروہ ہے جو "اسلامی نظام" کے نعرہ کی آڑ میں اپنے غیر اسلامی نظریات نافذ کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے، اور جس کے نتیجہ میں ملک میں فتنہ و فساد اور انتشار ناگزیر ہے۔

قیمت تین روپیہ